دِلّی کے آثارِ قدیمہ

(فارسی تاریخوں میں)

(ترتیب اور ترجمہ)

خلیق انجم

سلسلۂ مطبوعات اردو اکادمی ۳۱

تحقیقی واشاعتی کمیٹی کے اراکین :-

ڈاکٹر خلیق انجم (چیرمین)

حکیم عبدالحمید

خواجہ حسن ثانی نظامی

بیگم ریحانہ فاروقی

سید شریف الحسن نقوی (سکریٹری)

DILLI KE ASAR-E-QADIMA FARSI
TARIKHON MEIN
WRITTEN BY : DR. KHALIQ ANJUM
1988-PRICE Rs 48—00

سنہ اشاعت : مارچ ۱۹۸۸ء

قیمت : -/۴۸ روپے

بہ اہتمام ڈاکٹر انتظار مرزا

کتابت : راحت علی خاں

طباعت : ثمر آفسیٹ پرنٹرز، دہلی

ناشر و تقسیم کار : اردو اکادمی، دہلی، گھٹا مسجد روڈ، دریا گنج، نئی دلی ۲

ISBN 81—7121—030—9

فہرست

خلاصۃ التواریخ

توزک جہانگیری

عملِ صالح

اخبار الاخیار

منتخب التواریخ

تاریخ داودی

خزائن الفتوح

تاریخ مبارک شاہی

تاریخ شاہی

قانون ہمایونی

تاریخ فرشتہ

تاریخ فرشتہ (جلد دوم)

مآثر الامرا (جلد اوّل)

تاریخ فیروز شاہی

سیر المتاخرین

سیر المتاخرین (جلد سوم)

طبقاتِ اکبری

ظفر نامہ

عالمگیر نامہ

فتوحات فیروز شاہی

عجائب الاسفار

اشاریہ ۲۷۷

تصویریں

حرفِ آغاز

ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ کی تاریخ کا سب سے بڑا مآخذ وہ فارسی تاریخیں ہیں جو اس عہد میں لکھی گئیں ۔ بدنصیبی ہے کہ ہمارے زمانے میں فارسی کا چلن بہت کم ہوگیا ہے۔ اِس لیے ہمارے مورخین اور عام لوگ فارسی تاریخوں سے استفادہ نہیں کر پاتے۔ اردو اکادمی کی تحقیقی و اشاعتی کمیٹی نے جب فیصلہ کیا کہ دلّی کی تہذیبی اور سماجی زندگی پر کتابیں تیار کرا کے شائع کی جائیں تو دلّی کے آثارِ قدیمہ میں خلیق انجم صاحب کی دل چسپی کے پیشِ نظر اُن سے فرمائش کی گئی کہ وہ فارسی تاریخوں میں دلّی کے آثارِ قدیمہ کا جو ذکر آیا ہے اُسے اردو میں ترجمہ کر کے کتابی صورت میں مرتّب کر دیں۔ ان کتابوں تک رسائی کے لیے انجم صاحب کو کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ محقق حضرات ہی کر سکتے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ انجم صاحب نے فارسی تاریخوں کے اقتباسات کا اُردو میں ترجمہ کر کے ایک ایسی کتاب مرتّب کر دی ہے جو دلّی آثارِ قدیمہ کے موضوع پر غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔

دلّی کے آثارِ قدیمہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اس نوعیت کا کام اُردو میں پہلی بار ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دلّی آثارِ قدیمہ پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ کتاب بہت اہم ثابت ہوگی۔

سید شریف الحسن نقوی
سکریٹری
اُردو اکادمی، دہلی

پیش لفظ

اواخر بارھویں صدی عیسوی سے لے کر انیسوی صدی عیسوی کے آغاز تک مختلف مسلمان خاندانوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ خاندان غلامان سے لے کر مغلوں کے عہد حکومت تک سب ہی کی سرکاری زبان فارسی ہی رہی یہ زبان صرف مسلمانوں ہی کی مرکزی یا صوبائی حکومتوں تک محدود نہیں تھی بلکہ مرہٹوں، مختلف ریاستوں کے ہندو مہاراجاؤں، سکھوں اور اپنے ابتدائی عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرکاری اور کاروباری زبان فارسی ہی تھی۔ مختلف مذہبوں، عقیدوں، نسلوں، ذاتوں اور علاقوں کے لوگ فارسی ہی لکھتے پڑھتے تھے۔ اس عہد میں اعلا طبقے کے تخلیقی ادب کی زبان بھی فارسی ہی تھی۔ ہندوستان نے بے شمار صفحۂ اول کے مسلمان اور ہندو فارسی ادیب اور شاعر پیدا کیے۔ فرہنگ نگاری جیسے اہم فن میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ٹیک چند بہار جیسے فرہنگ نگاروں کے نام بھی ملتے ہیں۔ فارسی کا یہ چلن برطانوی حکومت کے لیے زبردست چیلنج تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو یقین تھا کہ اگر ہندوستان کے مختلف علاقوں، فرقوں، خاص طور سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفریق اور نفرت پیدا کرنی ہے تو انتظامیہ میں فارسی کا استعمال ختم کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں انگریزوں نے دو خطرناک کام ایسے

گیے جن کے اثرات سے ہمارے ذہنوں کو آج تک نجات نہیں ملی۔ برطانوی سامراج نے ہندوستانیوں میں تفریق پیدا کرنے کے لیے ہندوستان کی تاریخ کو ہندو اور مسلمان کے خانوں میں تقسیم کر کے مسخ کر دیا۔ غالباً ایلیٹ نے جب اپنی تاریخ مکمل کر لی تو کسی دوست کو خط میں لکھا کہ "اس تاریخ کے ذریعے ہندوستانیوں میں منافرت کا ایسا بیج بو رہا ہوں جس کا پودا تا قیامت لہلہاتا رہے گا۔" ایلیٹ کا مفہوم وہی ہے جو میں نے ابھی بیان کیا، الفاظ البتہ میرے ہیں۔

بارہویں صدی عیسوی سے لے کر انیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک تقریباً تمام تاریخیں فارسی ہی میں لکھی گئی ہیں۔ ان تاریخوں کے مورخین مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی۔ صورتِ حال یہ ہے کہ ہم اصل مورخوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے جو کچھ لکھا وہ فارسی میں ہے۔ اب ہمارا انحصار انگریزوں کی لکھی ہوئی ان تاریخوں پر ہے جن میں سارا زور اورنگ زیب اور شیواجی کے جھگڑوں پر صرف کیا گیا ہے جن میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنے کے لیے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے اور جن میں قطب کی لاٹھ اور دوسری تاریخی عمارتوں کے فنِ تعمیر پر توجہ کرنے کے بجائے اس پر زور دیا گیا ہے کہ ان کے بنانے والے ہندو تھے یا مسلمان۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں نفرت کی دیوار کھڑی کرنے کے سلسلے میں دوسرا کام ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ کیا کہ مختلف گروہوں میں لسانی نفاق پیدا کر دیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اٹھارہ سو عیسوی میں کلکتے میں فورٹ ولیم کالج بظاہر اس لیے قائم کیا تھا کہ اس میں صاحبانِ انگریز کو ہندوستانی زبانوں کی تعلیم دی جا سکے۔ لیکن اس کا ایک مقصد اور بھی تھا جسے سید عابد علی عابد نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

"فورٹ ولیم کالج کے بانی لارڈ ولزلی نے یہ بھی محسوس کیا کہ فارسی مسلم بادشاہوں کی درباری زبان تھی۔ ہندو ہوں یا مسلمان، وضع سلطنت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فارسی میں اظہارِ خیال کرتے تھے۔ اس لیے فارسی گویا ہندوستان کا ثقافتی محور بنی ہوئی تھی۔ ہندوستانیوں کو اس ثقافتی محور سے ہٹانا ضروری تھا۔ یک زبانی (لسانی)، تمدنی تال میل بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر فارسی کی جگہ دو تین زبانیں ملک میں استعمال ہونے لگیں تو ثقافتی مزاج کی ہم آہنگی و یک رنگی

متغیر ہو جائے گی۔ اردو، ہندی اور بنگالی تینوں زبانیں انیسویں صدی کے آغاز میں فارسی کی جگہ لینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ سیاسی مصلحت اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ ان زبانوں کو علیحدہ علیحدہ پھلنے پھولنے کا موقع دیا جائے تاکہ ہندوستان کے مختلف حصوں کے لوگ اور کچھ نہیں تو لسانی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے سے کٹ جائیں۔ بات یہیں نہیں ختم ہوئی۔ پہلے بمبئی اور مدراس کی پریذیڈنسیوں کی عدالتوں سے فارسی کا اخراج عمل میں آیا۔ فارسی کو نکال کر انگریزی اور مقامی زبانوں کا استعمال شروع کر دیا گیا۔"

دفتروں، عدالتوں اور انتظامیہ سے فارسی کے اخراج کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو منظم کوششیں کی تھیں اُن کا تفصیلی ذکر ڈاکٹر حکم چند نیر نے اپنی کتاب "اردو کے مسائل" میں کیا ہے اور اس سلسلے میں بہت اہم سرکاری دستاویزیں نقل کی ہیں۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت فارسی سے وہ مقام چھینا تھا، جو نو سو سال سے اُسے حاصل تھا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں جب عدالتوں اور دفتروں کی زبان فارسی نہیں رہی تو فارسی کا چلن بہت کم ہو گیا۔ پھر بھی ہندوستان اور خاص طور سے شمالی ہند میں فارسی پڑھنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد خاصی رہی۔ ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کے تعلیمی نظام میں فارسی کو خاصا دخل رہا۔ سب تو نہیں لیکن بڑی تعداد میں طالبِ علم فارسی بحیثیت مضمون پڑھتے تھے۔ آزادی کے بعد طلبا کی یہ تعداد غیر معمولی حد تک محدود رہ گئی اور یہ طلبا بھی صرف مسلمان ہیں۔ فارسی کی اس حالت کا سب سے بُرا اثر ہماری پچھلی نو سو سال کی تاریخ پر پڑا۔ انگریزوں کے دورِ حکومت میں تو ہم انگریزوں کی لکھی ہوئی تاریخیں پڑھتے تھے لیکن آزادی کے بعد بھی ہمارا انحصار انہی تاریخوں پر ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ انگریزوں کی لکھی ہوئی تاریخوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی منظم کوشش کی گئی ہے، اس کے باوجود ہمارے مورخین ایسی نئی تاریخیں نہیں لکھتے جو سامراجی حکومت کے نہیں بلکہ ہندوستانیوں کے نقطۂ نظر کو پیش کریں۔ انگریزوں کی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کا آج تک یہ اثر ہے کہ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا جیسے اہم ترین ادارے کی لائبریری میں ایک بھی شخص فارسی داں نہیں ہے۔ فارسی داں کا ہونا تو دور کی بات ہے۔

فارسی کی کتابیں تک نہیں ہیں۔ اس لائبریری میں میرے محتاط اندازے کے مطابق پچاس ساٹھ آدمی ملازم ہیں۔ کیا فارسی تاریخوں کا مطالعہ کیے بغیر ہم ہندوستان کی گذشتہ ایک ہزار سال کی تاریخ لکھ سکتے ہیں؟

کچھ سال قبل دلّی میں ڈیپارٹمنٹ آف دہلی آرکائیوز کے نام سے ایک شعبہ قائم ہوا ہے جس میں برطانوی حکومت کے زمانے کی اور خاص طور سے اٹھارہ سو ستاون کے انقلاب سے متعلق دستاویزیں محفوظ کی گئی ہیں۔ یہ دستاویزیں نوّے فی صدی اردو اور فارسی میں ہیں۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اس ڈیپارٹمنٹ کے اسّی نوّے ملازمین میں ایک بھی شخص ایسا نہیں ہے جو فارسی اور تاریخ دونوں پر تھوڑی بہت قدرت رکھتا ہو۔ نتیجہ یہ ہے کہ انگریزی کے دستاویزوں اور کتابوں کی انگریزی میں جو فہرستیں مرتب کی گئی ہیں، ان میں بیشتر فارسی ناموں کی املا غلط ہے اور بعض ناموں کی املا تو اس حد تک غلط ہے کہ اگر آپ اصل نام سے واقف نہیں ہیں اور پچھلے دو سو سال کی تاریخ پر آپ کی نظر نہیں ہے تو آپ نہیں بتا سکتے کہ یہ کس شخص یا کتاب کا نام ہے۔ پچھلے سال جب اردو اکادمی دلّی کی تحقیقی اور طباعتی کمیٹی نے مجھے سر سید احمد خاں کی آثار الصنادید مرتب کرنے کی اجازت دی اور میں نے حواشی لکھنے کے لیے فارسی تاریخوں کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے خیال آیا کہ دلّی کے آثارِ قدیمہ سے متعلق ان کتابوں کی عبارتوں کا اردو میں ترجمہ کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ فارسی سے نابلد ہماری نئی نسل اس سے استفادہ کر سکے گی اور دوسرے آثار قدیمہ سے متعلق فارسی تاریخوں کے اقتباسات ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں گے۔ زیرِ نظر کتاب میں فارسی کی تمام تاریخوں کے متعلقہ اقتباسات نقل کرنا تو ممکن نہیں تھا لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ بیشتر اہم کتابوں کے اقتباسات ضرور شامل ہو گئے ہیں۔

ترجمہ کرتے ہوئے میری کوشش رہی ہے کہ اصل سے بہت قریب رہوں۔ اگر کسی فارسی تحریر میں لفّاظی یا دور از کار تشبیہوں اور استعاروں یا شاعرانہ اندازِ بیان سے کام لیا گیا ہے تو ان عبارتوں میں سے صرف کام کی بات نکال لی گئی ہے، اگرچہ اس کی ضرورت بہت کم پڑی ہے اور جہاں عبارت ترک کی گئی ہے وہاں نقطے لگا دیے گئے ہیں۔ اگر مورخ

نے کہیں بادشاہ کی شان میں مدحیہ اشعار کہے ہیں تو انھیں بھی شامل نہیں کیا گیا ہے۔ میری پوری کوشش رہی ہے کہ ترجمہ سادہ، سلیس، عام فہم رہے اور اصل مطلب بھی ہاتھ سے نہ جائے۔

ہر اقتباس کا ایک عنوان دیا گیا ہے۔ یہ عنوانات مترجم کی طرف سے ہیں۔

اس کتاب کے چھپنے کے بعد اس کا انگریزی ترجمہ بھی چھاپوں گا۔

انجمن ترقی اردو ہند میں میری دفتری مصروفیات اتنی ہیں کہ کتابوں کی تلاش میں مختلف لائبریری میں جانا ممکن نہیں تھا۔ یہ کام ڈاکٹر نور الاسلام صدیقی نے میرے لیے کیا۔ فارسی تاریخیں اب بہت کم لائبریری میں محفوظ ہیں۔ نورالاسلام صدیقی صاحب نے میری خاطر ایک ایک لائبریری کو چھانا اور گوہرِ نایاب تلاش کر کے لائے۔ فارسی اور اردو کی بیشتر کتابوں میں اشاریہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر کوئی مخصوص عبارت نکالنی ہے تو پوری کتاب کا سطر سطر مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ نورالاسلام صدیقی صاحب نے میری یہ مشکل حل کی۔ انھوں نے کتابیں پڑھ کر متعلقہ عبارتوں پر نشان لگا لگا کر دیے اور میں نے ترجمہ کیا۔ میں نورالاسلام صدیقی کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

میں اردو اکادمی دلّی کی تحقیقی اور طباعتی کمیٹی کا بھی ممنون ہوں جس نے مجھے کام کرنے کے لیے سہولتیں فراہم کیں۔ اگر اردو اکادمی دلّی کے سکریٹری جناب سید شریف الحسن نقوی کو علم سے گہرا لگاؤ نہ ہوتا، وہ اس کام کی اہمیت سے واقف نہ ہوتے اور اس کام کے سلسلے میں مجھے بھرپور تعاون نہ دیتے تو یہ کتاب مرتب نہ ہو پاتی۔ میں ان کی عنایتوں کا شکر گزار ہوں۔

احمد سعید صاحب اور پروفیسر نثار احمد فاروقی کا میں تہ دل سے شکر گزار ہوں، ان دونوں حضرات نے اس کام میں میری ہر طرح مدد کی ہے۔

خلیق انجم

مفتاح التواریخ

مولفہ

طامس ولیم بیل

سلطان رضیہ کا مزار

اس (سلطان التمش) کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ تخت نشین ہوا۔ ابھی حکومت کو ۶ مہینے اور ۲۶ دن ہی ہوئے تھے کہ امرا ناراض ہو گئے اور انھوں نے اُسے معزول کر دیا۔ التمش کی لڑکی سلطان رضیہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ وہ مردانہ لباس پہنتی تھی اور علانیہ ہاتھی پر سواری کرتی تھی۔ آخر ۶۳۷ھ (۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ء) میں قتل کر دی گئی؛ اب تک شاہجہاں آباد میں اُس کا مزار موجود ہے۔ اس کی قبر کے پاس ایک اور قبر ہے جسے سجیعہ بیگم کی بتایا جاتا ہے۔ یہ عمارت درگاہ رجّی جھجی کے نام سے مشہور ہے۔ (ص ۵۶)

درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ:

۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء کو (خواجہ صاحب) کا انتقال ہوا اور دلّی میں مدفون ہوئے۔ .... ان کی قبر دلّی میں ہے، اینٹ اور پتھر سے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ کچّی ہے، لیکن زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ شیر شاہ اور اسلام شاہ کے زمانۂ حکومت میں کچھ عزیزوں نے اُن کے مزار کے چاروں طرف دیوار بنائی اور چار بڑے بڑے دروازے تعمیر کیے، جو آج تک موجود ہیں۔ درجِ ذیل اشعار دروازوں پر کندہ ہیں:

تاریخ بر دروازہ متصل مجلس خانہ

در زمانِ آفتابِ چرخِ دولت شیرشاہ
شاہ را بر باب کوکب موکبِ گردون غلام
ایں عظیم القدر درگاہی کہ اندر بابِ او
صادق آمد قول "ھٰذا الباب" من دار السّلام
بود بست و چار و نہصد سال از ہجرت کہ شُد
ز اہتمام شیخِ دیں پرور، خلیلُ الحق بتمام

تاریخ بر دروازہ سمت احاطہ ملاموج

در زمانِ شہِ جہانِ اِسلام
شُد بلند ایں درِ سپہر جناب
گرچہ صد ہست بابِ جنّت را
لیس باب بمثلِ ھٰذا الباب
کرد شخصی بنا کہ در بابش
یوسف ثانی از حق است خطاب
چوں ز تاریخ نام کردم عرض
گفت "درگاہ خواجۂ اقطاب"

تاریخ بر دروازۂ غربی

خلقی کہ درین گنجِ سعادت می رفت
آخر گہر نثار شاکر خاں سفت

مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

گفتم چہ نویسم رقمِ تاریخش
رضواں بدل اسرار درِ جنت گفت

تاریخ بر دروازہ اندرون

از سعی کمترین غلامانِ شہریار
با اعتقاد معتقدِ کاملُ العیار
رفتند قدسیان بدیارِ بہشتِ عدن
تاریخ یافتند حصارِ بہشتِ عدن

اشعار بر دروازہ بیرون

از حکم بادشاہ جہاں خسروِ انام
فرخ سیر شہنشہ نہ آسمان غلام
گرد مزارِ خواجۂ دیں قطبِ نہ فلک
گردد بگرد روضۂ او آدم و ملک
تعمیر شد بحجرۂ زیبا و منتظم
مانند قبلہ اشرف و چوں کعبہ محترم

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تعمیر کردہ مسجد:

اِس درگاہ سے متصل ایک منزلہ مسجد تھی کہ جسے خواجہؒ نے دوستوں کے ساتھ مل کر خود اپنے ہاتھ سے بنایا تھی۔ اس کے بعد اپنے عہد میں اسلام شاہ نے دوسری منزل کا اضافہ کیا اور محمد فرخ سیر نے تیسری منزل تعمیر کی۔ یہ تاریخ اس پر کندہ ہے:

مُوردِ لطف و عنایاتِ شہِ والا جناب
خسروِ فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب
ساخت از روی ارادت وز رسوخِ اعتقاد
مسجدی زیبا بناو سجدہ گاہِ شیخ و شاب
با سروشِ غیب ہاتف گفت در گوشِ خرد
سالِ تاریخِ بنایش بیت ربّی مُستجاب

(ص ص ۵۸-۵۹)

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا مزار:

(قاضی صاحب) سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان معز الدین کیقباد کے زمانے میں تھے۔ ان کا مزار دلّی میں خواجہ بختیار کاکیؒ کے پائیں میں ہے اور ان کے مزار پر جو کتبہ نصب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی وفات سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے عہدِ حکومت میں ۶۹۵ھ (۱۲۹۶-۱۲۹۵ء) میں ہوئی تھی۔ یہ لوح جو اُن کے مزار پر لگی ہوئی ہے، ان کی وفات کے ۷۹ سال بعد ۷۷۴ھ (۱۳۷۳-۱۳۷۲ء) میں یعنی عہدِ سلطان فیروز شاہ میں نصب کی گئی۔ (ص ۷۵)

حضرت نظام الدین اولیاؒ کا مزار:

حضرت نظام الدین کی وفات ۱۸ ربیع الاوّل کو بدھ کے دن ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں ہوئی تھی۔ اُن کا مقبرہ موضع غیاث پور میں ہے۔ دلّی میں اُن کے ایک مُرید امیر خسروؒ نے چھے ماہ بعد اِس دنیا سے رختِ سفر باندھا۔ درجِ ذیل تاریخ (شیخ نظام الدین کی وفات پر) سلطان علاء الدین خلجی کی تعمیر کردہ مسجد کی دیوار پر کندہ ہے۔

تاریخ:- نظامِ دو گیتی شہِ ما طیں
سراجِ دو عالم شدہ بالیقیں

چو تاریخِ فوتش بجُستم زغیب
ندا داد ہاتف شہنشاہِ دیں

تاریخ

انتظامِ زمان و اہلِ زمین
شیخِ عالی نسب نظام الدین
نود و چار سال عمرش بوُد
کانزمان شُد بحضرت معبود
چار شنبہ بخُلد نقل نمود
هجدہم از ربیع الاوّل بُود
سالِ ترحیل آن ستودہ شیم
زد خرد زبدۂ بہشت رقم

وفات کے دو سو سال بعد تک شیخ کا مقبرہ بس ایک محجر تھا۔ اکبر شاہ بادشاہ کے زمانے میں ۹۷۰ھ (۱۵۶۳ - ۱۵۶۲ء) میں سید فریدوں خاں نے اُن کے مزار کے چاروں طرف ستون کھڑے کر کے ایک گنبد تعمیر کر دیا تھا اور پتھر کی لوح پر کلمہ طیبہ اور گنبد کی تاریخ تعمیر کندہ کرا کے مزار کے سرہانے نصب کر دی تھی۔

شُکر کہ در روضۂ حضرتِ غوثُ الانام
از پئ تعمیر شُد خانِ فلک احتشام
مہر نسب را شرف اوج شرف را شہاب
سیّدِ عالی نسب، میر فلک احترام
بانئِ او ہاشمی ساعئِ او ہاشمی
آن کہ بدورانِ شاں ہست سخن را نظام

از پیِ تاریخِ آن چون متفکّر شدم
کلکِ خرد زد رقم قبلہ گیر خاص و عام
روی بدرگاہِ او آر فریدون بصدق
شاید از الطافِ پیر کارِ تو گردد نظام

اس کے ۲۴ سال بعد جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں فرید خاں المخاطب بہ مرتضیٰ خاں نے جس نے فرید آباد، آباد کیا تھا، سیپوں کا بنا ہوا بہت لطیف اور نفیس چھپر کھٹ چڑھایا، اور تاریخِ وفات کے مندرجہ ذیل اشعار اس پر کندہ کرائے:

تاریخ

شیخِ دہلی نظام را دو فرید
کارِ دنیا و دیں مہیّا کرد
یک فریدش مقامِ فانی داد
یک فریدش مقامِ احیا کرد
مرتضیٰ خان فراز مرقدِ او
قبّہ چوں سپہر برپا کرد
ابرِ فیروزی از جہاں برخاست
دُرِ یک دانہ در صدف جا کرد
ہر جہان کعبۂ مربع او
چار در از چہار حد وا کرد
عرشۂ مرقدِ مبارکِ او
بر زمین کار عرشِ اعلیٰ کرد
عرش در پای چار قائمہ اش
چار تکبیر بے محابا کرد
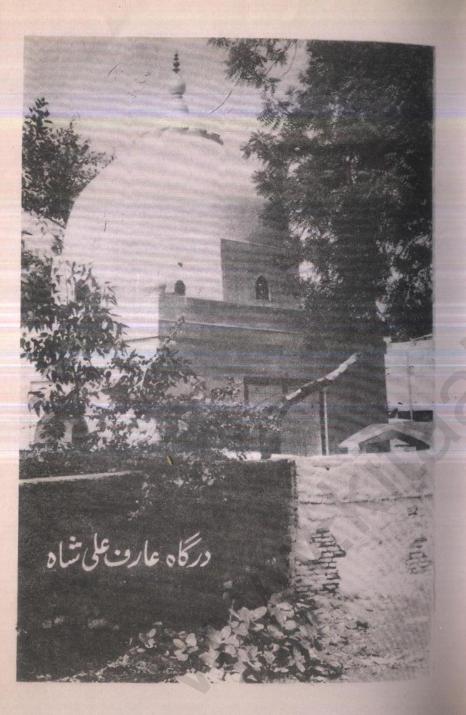
درگاہ عارف علی شاہ

ہر کہ رُخ از مقام او تابید
پشت برکعبۂ معلّے کرد
وانکہ رو در سجود او آورد
رُخ چو آئینۂ مصفا کرد
خاک روبِ مقامش ار باشی
می توان کار صد مسیحا کرد
سالِ تاریخ ایں بنا جستم
قبّۂ شیخ عقل القا کرد
۱۰۷۱ھ
قدر بانی او رفیع کناد
آنکہ این ہفت سقف خضرا کرد

شاہ جہاں بادشاہ کے زمانے میں ۱۰۶۳ھ (۱۶۵۳-۱۶۵۲ء) میں خلیل اللہ خاں نے لال پتّھر سے ان کے مزار کے چاروں طرف ایک غلام گردش بنوائی .... عزیزالدین محمد عالمگیر ثانی کو اُن سے زبردست عقیدت تھی۔ اس نے ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۶-۱۷۵۵ء) میں اُردو میں چند شعر کہہ کے سنگِ مرمر پر کندہ کرائے اور (مزار کے) پائیں کی طرف گنبد کے اندر لگوا دیے۔ (ص ۸۱-۸۲)

تغلق آباد:

شاہ جہاں آباد سے جنوب کی طرف چھے کوس کے فاصلے پر سلطان غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد کا قلعہ تعمیر کیا تھا۔ ...... یہ مقبرہ تغلق آباد کے علاقے میں موجود ہے۔
(ص ۸۲)

امیر خسرو کا مزار:

امیر خسرو لکھنوی (بنگال) کے سفر سے جب لوٹ کر آئے تو حضرت شیخ نظام الدین کا

انتقال ہو چکا تھا (امیر خسرو) شیخ کے مزار پر پہنچے، وہاں گریہ وزاری کی اور خطیرہ کے سامنے خاک میں لوٹے۔ چھے ماہ میں خدا کو پیارے ہو گئے اور شیخ کے قدموں میں مدفون ہوئے۔ یہ واقعہ ۷۲۵ھ (۱۴۲۲-۱۴۲۱ء) میں واقع ہوا۔ اُن کا عرس ہر سال سترھویں شوال کو ہوتا ہے۔ (ص ۸۳)

ہزار ستون۔ محمد آباد، عادل آباد:

سلطان محمد تغلق نے ۷۴۴ھ (۱۳۴۴-۱۳۴۳ء) میں ہزار ستون کے نام سے ایک عمارت تعمیر کی۔ اب (یہ عمارت) بالکل خراب اور ویران ہے، لیکن اس کے نشانات آج تک باقی ہیں۔ اس شان دار عمارت کے آثار قلعۂ تغلق آباد کے پاس موجود ہیں۔ چوں کہ اس عمارت میں ہزار ستون تھے، اس لیے یہ عمارت ہزار ستون کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگ اِس عمارت کو محمد آباد اور عادل آباد بھی کہتے ہیں۔ (ص ۸۹)

درگاہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی:-

حضرت چراغ دہلی کی درگاہ سلطان بہلول لودی کے مقبرے کے قریب شاہجہان آباد سے جنوب کی طرف چھے کوس کے فاصلے پر ہے۔ سلطان فیروز شاہ کو اُن سے بہت عقیدت تھی۔ اُن کی وفات سے قبل ہی اُس (سلطان فیروز شاہ) نے یہ عمارت تعمیر کر دی تھی۔

(ص ۹۰)

کالی مسجد:

شاہ جہاں بادشاہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد کے قریب یہ عالی شان مسجد ترکمان دروازے کے قریب ہے۔

یہ کالی مسجد فیروز شاہ کے وزیر جونا نشہ المخاطب بہ خانِ جہاں نے ۷۸۹ھ (-۱۳۸۷ء) میں تعمیر کی تھی۔ اِس مسجد کے صحن میں جونا نشہ اور اس کے باپ خانِ جہاں کی قبریں آج تک
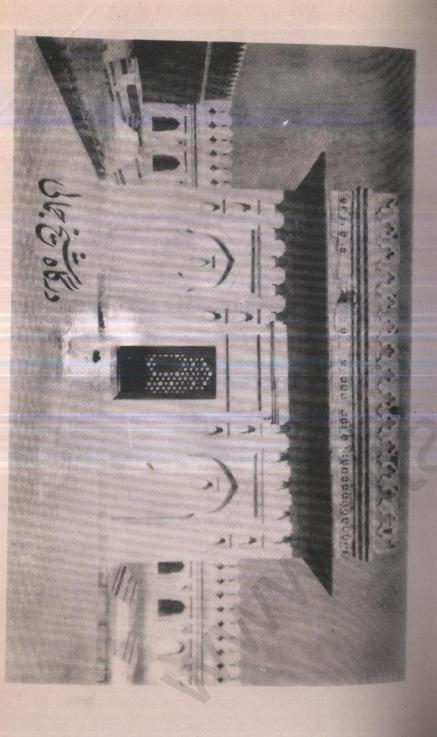
موجود ہیں۔ اُس کے دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ لکھا ہوا ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفضل وعنایت آفریدگار در عہدِ دولت بادشاہِ دین دار الواثق بتائید الرحمٰن ابوالمظفر فیروز شاہ السلطان خلد ملکہ ایں مسجد بنا کردہ بندہ زادہ درگاہ جونانشہ مقبول المخاطب بخانجہاں خدا بریں بندہ رحمت کند ہر کہ دریں مسجد بیاید بدعاے خیر بادشاہِ مسلمانان و ایں بندہ را بفاتحہ و اخلاص یاد کند حق تعالیٰ ایں بندہ را بیامرزد بحرمتہ النبی و آلہٖ۔ مسجدِ مرتب شد بتاریخ دہم ماہ جمادی الآخر سنہ تسع وثمانین سبعماۃ ہجری ۷۸۹ء (ص ۱۰۱)

شیخ جمالی کا مزار :

سنہ ۹۴۲ھ (۱۵۳۶-۱۵۳۵ء) میں انتقال ہوا۔ پرانی دلی میں اُن کا مزار ہے......... اُن کا مقبرہ بہت خوب صورت اور دل کش ہے۔ اُن کی غزلوں میں سے دو غزلیں اور کچھ اشعار چونے سے (مقبرے کے اندر) لکھے ہوئے ہیں۔ اس کا مطلع ہے :

محوِ ذاتِ خدا جمالی بود
عاشق و مستِ لا اُبالی بود

(ص ۱۵۰)

کھاری باؤلی :

یہ باؤلی شاہ جہاں آباد میں جامع مسجد کے عقب میں لال کنواں کے پاس واقع ہے۔ خواجہ عبد اللہ لاذر قریشی نے شیر شاہ کے بیٹے اسلام شاہ یعنی سلیم شاہ کے پہلے سال جلوس میں اس کی بنیاد رکھی تھی اور ۹۵۸ھ (مطابق ۱۵۵۱ء) میں اس کی عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ابھی تک اس کے آثار موجود ہیں اور عربی خط میں چند عبارتیں دروازے اور دیواروں پر کندہ ہیں۔ دیواروں اور دروازے پر یہ عبارت کندہ ہے :

مدرسہ و مسجد ماہم بیگم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

در عہد و زماں شاہ سلطان السلاطین والمظفر اسلام شاہ بن شیر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بنا کردہ ایں چاہ بتوفیق اللہ و بروح رسول اللہ ملک عماد الملک عرف خواجہ عبد اللہ لاذر قریشی بدار الملک حضرت دہلی فی سنہ اثنی و خمسین [۹۵۲] و تسعمات فقط۔

(ص ۱۵۴)

مقبرہ ہمایوں اور شیر منڈل :

ہمایوں نے دِلّی پر فتح حاصل کی۔ اُس کے سات مہینے بعد کتب خانہ کی اُوپر کی منزل کے برآمدے میں تھے۔ جو لوگ جامع مسجد میں جمع تھے، اُنھیں سعادتِ کورنش سے مشرف کیا۔ کچھ لوگ حجاز کے سفر سے تازہ تازہ واپس ہوئے تھے، اُن سے حرمین شریف کے حالات پوچھے۔ جب شام ہوگئی تو بادشاہ چاہتے تھے کہ نیچے اُتر آئیں۔ ابھی وہ دوسری سیڑھی پر تھے کہ موذّن نے اذان دینی شروع کر دی۔ اذان کی تعظیم کے لیے وہیں بیٹھنے کا ارادہ کیا کہ ناگاہ پوستین کے دامن میں پاؤں اَٹک گیا اور عصا پھسل گیا اور (حضرت) گر پڑے۔ اِس حادثے کے دو دن بعد گیارہ ربیع الاوّل ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ - ۱۵۵۵ء) کو اِس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انھیں کیلوکھڑی میں کہ جسے دلّی میں دریائے جمنا کے کنارے شہر سے دو کوس کے فاصلے پر سلطان معزّ الدین کیقباد نے بنایا تھا، مدفون کر دیا۔ ہمایوں بادشاہ کی بیوی نواب حاجی بیگم نے پندرہ لاکھ روپے کے خرچ سے مقبرہ اور شان دار عمارت تعمیر کی۔

(ص ۱۶۴ - ۱۶۵)

مدرسۂ و مسجد ماہم بیگم :

یہ مدرسہ اور مسجد دہلی کے قلعۂ کہنہ میں، جسے دین پناہ کہتے ہیں، واقع ہے۔ انھیں اکبر شاہ بادشاہ کے زمانے میں ۹۶۹ھ (۱۵۶۲ - ۱۵۶۱ء) ماہم بیگم نے بنایا تھا۔ اگرچہ

اب یہ دونوں عمارتیں بہت خستہ حالت میں ہیں لیکن وہ کتبہ جس سے تاریخِ تعمیر کا پتا چلتا ہے ابھی تک باقی ہے اور وہ یہ ہے :

بدورانِ جلال الدّین محمد
کہ باشد اکبر شاہانِ عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی
بنا کرد ایں بنا بہرِ افاضل
ولی شد ساعی ایں بقعۂ خیر
شہاب الدین احمد خان باذِل
زہی خیریت ایں بقعہ خیر
کہ شد تاریخ او خیرُالمنازل
۹۶۹

(ص ۱۷۱ - ۱۷۲)

مقبرہ اتگہ خاں :

اتگہ خاں کا لقب شمس الدّین محمد خان تھا۔ غزنی کے رہنے والے تھے اور ہمایوں بادشاہ اور اکبر کے خوانین میں شامل تھے ۔ جب ہمایوں بادشاہ جوسا قصبے کے قریب شیر خان افغان سے شکست کھا کر میدانِ جنگ سے فرار ہوا اور دریائے گنگا میں چھلانگ لگا دی تو قریب تھا کہ دریا میں غرق ہو جائے کہ میر شمس الدّین نے دستگیری کی اور خطرناک بھنور سے نکال کر کنارے پر سلامت لے آیا۔ بادشاہ نے اس خدمت کے بدلے میں (خانِ اعظم) کو مناصب بلند اور مراتبِ ارجمند عنایت کیے۔ اُس نے اکبر شاہ کے زمانے میں زبردست ترقّی کی ۔ (ص ۱۷۲)

نیلی چھتری :

یہ نواب نوبت خاں کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ شاہ جہاں بادشاہ کی عمارت خاص محل سے متصل

پرانی دلّی میں ہے۔ ۹۷۳ھ (۱۵۶۶ - ۱۵۶۵ء) میں تعمیر ہوا تھا۔ اب خستہ حالت میں ہے۔ چوں کہ گنبد کے اوپر نیلی چھتری بنائی ہے، اِس لیے (یہ عمارت) نیلی چھتری کے نام سے مشہور ہے۔ اِس عمارت کے دروازے پر یہ تاریخ کندہ ہے:

بہ بین خوش منظرِ عالی مقامے
دریں عالم ندیدہ چشمِ ایام
پیٔ تاریخِ اتمامش خبر دار
چو پرسیدم بگفتا، یافت اتمام

(ص ۱۷۴)

درگاہ خواجہ باقی باللہؒ:

خواجہ باقی باللہ نقش بندیہ سلسلے کے اولیاے کبار میں سے تھے۔ ۲۵ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ء) کو انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت عمر چالیس سال تھی۔ دلّی میں قدم شریف سے متصل ان کی درگاہ ہے اور اُن کے مقبرے کے جنوبی دروازے پر یہ تاریخ کندہ ہے۔ جس میں لفظ "نقشبند" سے سالِ وفات نکلتا ہے۔

خواجہ باقی آن امامِ اولیا
عارفِ باللہِ اسرارِ نہفت
نکہتِ بستان سرای انبیا
از نہالِ جعفری خوش گل شگفت
چوں کہ بود مشرب فنا اندر بقا
محوِ حق گشتہ ز اسرار نہفت
رخت بستہ زیں سرای بے بقا
چوں ندای ارجعی از حق شنفت

سالِ تاریخ وصالش خسروے
فی البدیہہ نقشبندِ وقت گفت

مزار کے سرہانے کی دیوار پر ۱۵ بیت کا قصیدہ لکھا ہوا ہے جس سے سالِ وفات نکلتا ہے۔ (ص ۲۰۷)

عرب سرائے:

عرب سرائے دلّی میں ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کے متصل ہے۔ اسے حمیدہ بانو بیگم (ملقب بہ مریم مکانی، مشہور بہ حاجی بیگم) نے بنایا ہے۔ اسے عرب سرائے اس لیے کہتے ہیں کہ جب بیگم حج پر گئیں تو تین سو عربوں کو اپنے ساتھ لائیں۔ (انھوں نے) یہ عمارت انہی کے لیے تعمیر کی تھی۔ (ص ۲۰۸)

بارہ پلہ:

یہ پُل شاہ جہاں آباد سے دو سو کوس کے فاصلے پر ہے اور بارہ پُلے کے نام سے مشہور ہے۔ جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں مہربان آغا نے ۱۰۲۱ھ (۱۶۱۳-۱۶۱۲ء) میں یہ پل بنایا تھا اور پل پر یہ تاریخ مرقوم ہے۔

تاریخ

از جہانگیر شاہ بن اکبر شاہ
آنکہ عدلش ضیا است عالم کل
دوستان را چو ہدہد است افسر
دشمنان را بسانِ فاختہ غل
ہند را در زمان سلطنتش !
عبدہ می نویسد استطبل

بوستانیست حضرت دہلی
بوے از گل گرفتہ رنگ از مُل
سالِ ہفتم ز عہدِ سلطنتش
کہ بنا لد زجور گل بلبل
مخلصِ خاصِ مہربان آغا
خادمِ قصرِ شاہ محرمِ کل
کرد تعمیر ایں پل از شفقت
کہ شود دستگیرش آں سر کل
سالِ تاریخش از فلک جستم
گشت رویش زخرمی گل گل
گفت .بردار خامہ و بنویس
بستہ از راہِ مہربانی پُل

(ص ۲۲۱ - ۲۲۲)

قلعہ سلیم گڑھ کا پل:

یہ پُل سلیم گڑھ (جو اب نور گڑھ کے نام سے مشہور ہے)، کے قلعے اور قلعہ شاہجہاں آباد کے بیچ میں بنا ہوا ہے۔ جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۳۱ھ (مطابق ۱۶۲۱ء) میں اسے تعمیر کیا تھا۔ پُل کے دونوں طرف یہ تاریخ منقوش ہے۔

کتبہ سمت مغرب

بحکمِ بادشاہِ ہفت کشور
شہنشاہ بعدل وداد و تدبیر

جہانگیر، ابنِ شاہنشاہِ اکبر
کہ شمشیرش جہاں را کرد تسخیر
چون این پل گشت در دہلی مرتّب
کہ وصفش را نشاید کرد تحریر
پیٔ تاریخ اتمامش خرد گفت
پُلِ شاہنشہ دہلی جہانگیر

کتبہ سمت مشرق

شد بحکم شاہ نورالدین جہانگیرِ عظیم
سال و تاریخش مبارک آن صراطِ مستقیم

(ص ۲۲۹-۲۳۰)

مقبرہ خانخاناںؒ:

عبدالرحیم خانخاناں، بیرم خاں خانخاناں کا لڑکا تھا ....
۱۴/ صفر ۹۶۴ھ (۱۵۵۶ء) میں لاہور میں پیدا ہوا اور ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷-۱۶۲۶ء)
میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا مقبرہ دلی میں درگاہ نظام الدین اولیا سے متصل
ہے اور آج تک موجود ہے لیکن بہت خستہ حالت میں ہے اور گر رہا ہے۔
(ص ۲۳۲)

شاہ جہاں بادشاہ کا خاص محل:

پرانی دِلّی میں شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں گلال باڑی کے قریب یہ عمارت
۱۰۴۲ھ (۱۶۳۳-۱۶۳۲ء) میں تعمیر ہوئی تھی اور آج کل بہت خستہ حالت میں ہے،
مگر اس عمارت کے دروازے پر یہ کتبہ ابھی تک باقی ہے۔
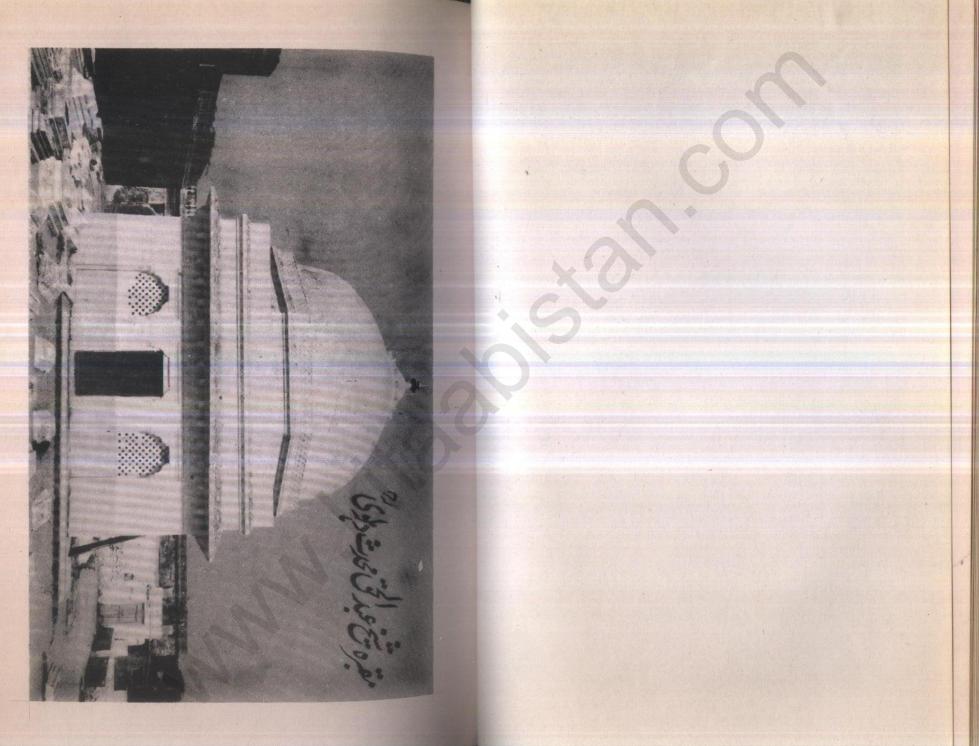
مقبرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح

کتبہ تاریخ

بدور شاہ جہان صاحب قران ثانی
کہ در جہاں است جہان پرور و سپہر جناب
بنا نہاد جہین زمانہ خاص محل
دریں زمین بکرم بنت زیبجان دریاب
ہمیشہ باد بزیر سپہر. بو قلمون
ہمی ضمیر منیرش پیٔ صلاح وصواب (کذا)
اگر زسال بنایش شود سوال ترا
حساب کُن بسرای محلّ خاص جواب (ص ۲۴۰)
۱۰۴۶ھ

مقبرہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی:

ہندوستان کے اولیاے کبار میں سے تھے. محرم ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں ولادت پائی، اور ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲-۱۶۴۳ء) میں انتقال فرمایا. ان کا مقبرہ دلّی میں حوض شمسی کے کنارے ہے۔ (ص ۲۴۶)

مزار جہاں آرا بیگم:

شاہجہاں بادشاہ کی تیسری صاحبزادی تھیں. اُن کی ولادت بُدھ کے دن ۲۱ صفر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) میں ہوئی۔ ....

۳ رمضان ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۱ء) میں خدا کو پیاری ہو گئیں۔ نظام الدّین اولیا کی درگاہ میں دفن ہوئیں۔ .... جہاں آرا بیگم نے زندگی ہی میں اپنا مجر تعیر کر لیا تھا۔ ان کی لوحِ مزار پر خطِ نسخ میں یہ شعر اور عبارت لکھی ہوئی ہے:

ہوالحی القیوم

بغیرِ سبزہ نپوشد کسے مزار مرا کہ قبر پوش غریبان ہمیں گیاہ بس است

الفقیر الغانیہ جہاں آرا مُرید خواجگان چشت بنتِ شاہجہاں بادشاہ
غازی انار اللہ برہانہ ۱۰۹۲ھ۔

(ص ۲۴۷ - ۲۴۸)

مزار سید جلال بخاری:

سید جلال بخاری کا، شہر پناہ تو کے دلّی دروازے کے باہر، مزار ہے۔

(ص ۲۵۱)

قلعہ شاہجہاں آباد (لال قلعہ):

یہ شان دار قلعہ شہاب الدّین محمد صاحب قران شاہ جہاں بادشاہ کے مبارک عہد میں تعمیر ہوا۔ جمعے کی رات ۱۲ یا ۲۵ ذی الحجہ ۱۰۴۸ھ (۱۶۳۹ء) میں .... اس قلعے کی بنیاد رکھی۔ یہ عظیم الشان قلعہ عزّت خاں، اللہ وردی خاں اور مکرمت خاں کے اہتمام میں اور باقی تمام دوسری عمارتیں بھی؛ مثلاً امتیاز محل معروف بہ رنگ محل، شاہ محل معروف بہ دیوانِ خاص و دیوانِ عام، خواب گاہ، تسبیح خانہ، نقار خانہ، حمام اور باغِ حیات بخش وغیرہ ۹ سال اور ۳ مہینے کے عرصے میں لاکھوں روپے کے خرچ سے ۲۴، ربیع الاوّل ۲۱ ویں سال جلوس موافق ۱۰۵۸ھ (۱۶۴۸ء) میں مکمل ہوا اور شاہ جہاں آباد کے نام سے موسوم ہوا۔

کتبہ بر محراب جنوبی:

سبحان اللہ این چہ منزلہاست رنگین و نشیمن ہای دل نشین قطعہ بہشت برین
چون گویم کہ قدسیان ہمت بلند بتماشایش آرزومند اگر ساکنانِ اطراف و
اکناف بسان بیتُ العتیق بطوافش آیند رواست و اگر نظارگیانِ انفس و آفاق
مثل حجرِ اسود بہ تقبل آستان رفیع الشانش شتابند سزا آغاز قلعہ والا کہ از
کاخِ گردون برتر است و رشک سدِ اسکندر و این عمارت دلکشا و باغِ حیات بخش

کہ در منازل چوں روح در بدن است و شمع در انجمن و نہر اطہر کہ آب صافش بینا را آئینہ جہان نماست و دانا را از عالمِ غیب پردہ کشا و آبشار ہا کہ ہر یک گوئی سپیدۂ صبح دم است با لوحہ اسرار لوح و قلم و فوارہ ہا کہ ہر کدامش پنجۂ نور است۔

بر محراب شمالے:

بہ مصافحہ آسمانیان مائل با لالی متلالی است با نعام زمینیان نازل و حوض کہ ہمہ از آب زندگانی پر بصفا رشک نور و چشمۂ خور۔ دوازدہم ذی الحجہ سال جلوس دوازدہم اقدس مطابق ہزار و چہل و ہشت ہجری بعالمیان نوید کامرانی داد و انجامش کہ بصرف پنجاہ لک روپیہ صورت پذیرفت بست و چہارم ربیع الاوّل سال بست و یکم جلوس ہمایوں موافق سنہ ہزار و پنجاہ و ہشت بفرّ قدوم میمنت لزوم گیتی خدیو گیہان خداوندیانی این مبانی آسمانی شہاب الدین محمد صاحبِ قران ثانی شاہ جہان بادشاہ غازی در فیض بروے جہانیاں بکشاد۔

ابیات کہ باآب زر مرقوم اند

شہنشاہِ آفاق شاہِ جہان
باقبالِ ثانیِ صاحبِ قِران
در ایوانِ شاہی بصد احتشام
چو خورشید بر چرخ بادا مدام
اساس ست تا ناگزیر این بنا
بُود قصرِ اقبالِ او عرش سا
زہی دل نشیں قصر پیراستہ
بہشتی بصد خوبی آراستہ

شاہجہاں کی جامع مسجد

شرافت یکی آیہ در شانِ او
سعادت در آغوش ایوانِ او
سجودِ در این سرائے سرور
کند سرنوشتِ بد از جبہہ دور
بپایش سرِ صدق، ہر کس کہ سود
بو دریاے جون آبرویش فزود
زمانہ چو دیوارِ او بر فراشت
بہ پیشِ رُخِ مہر آئینہ داشت
زبس روے دیوارش آراست است
ز نقاشِ چین رو نما خواست است
چنان بر سرش دست ایّام کرد
کہ گردوں بلندی از و وام کرد
ز فوّارہ و حوضِ دریا نشان
بآبِ زمین شستہ رو آسمان
بجو جاے شہنشاہِ عادل بُود
ازان بادشاہِ منازل بُود
و اندرون دیوان خاص بآبِ زر این کتبہ مرقوم است۔
اگر فردوس بر روے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

(ص ۲۵۲۔ ۲۵۴)

مسجد جامع مشہور بہ مسجد جہاں نما:

اِس شان دار مسجد کا ثانی نہیں ہے۔ شاہ جہاں آباد کے قلعے سے ہزار گز بادشاہی

کے فاصلے پر مغرب کی طرف بنی ہوئی ہے۔ اس عمارت کی خوبی اور لطافت تحریر و تقریر میں نہیں سما سکتی۔ شاہ جہاں بادشاہ کے حکم سے ۱۰ شوال ۱۰۶۰ھ (۱۶۵۰ء) مطابق ۲۴ویں جلوس شاہ جہانی کو . . . . سعد اللہ دیوان اعلیٰ اور فاضل خاں خانساماں کی موجودگی میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور چھے سال کی مدت میں دس لاکھ روپے کے خرچ سے عمارت مکمل ہوئی اور یہ کتبے اس کے دروازوں پر منقوش ہیں :

کتبہ بر دروازہ اول از جانب شمال :

بفرمانِ شہنشاہِ جہان بادشاہِ زمین و زمان گیہان خدیو کشورستان گیتی خداوندِ گردون توان، مؤسسِ قوانینِ عدل و سیاست، مشیدارکانِ ملک و دولت، بسیار دان، عالی فطرت، قضا فرمان، قدرِ قدرت، فرخندہ رائی خجستہ منظر فرح طالع بلند اختر، آسمان حشمت انجم سپاہ، خورشید عظمت، فلک بارگاہ۔

بر دروازہ دوم

مظہر قدرت الٰہی مورد کرامت نامتناہی مظہر کَلِمَةِ اللہِ العُلیا مُرَوِّجِ المِلَّةِ الحَنِیفَةِ البَیضا ملجاء الملوک والسلاطین خَلِیفَةُ اللہِ فِی الأَرَضِینِ الخَاقَانُ الأَعدَلِ الأَعظَمِ والقا ان الاجل اکرم ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی شاہ جہاں بادشاہِ غازی لازالت رایات دولۃ منصورۃ و اعداحضرتہ مقہورۃ کہ دیدۂ بصیرت حق بینش از شعشہ انوارِ ہدایت اِنَّمَا یَعمُرُ مَسَاجِدَ اللہِ۔

بر دروازہ سوم

مَن آمن باللہ و بالیوم الآخر مستنیر است و آئینہ ضمیر صدق گزینش از اشعہ مشکات روایت احب البلاد والی اللہ مساجدہا فروغ پذیر ایں مسجد کوہ اساس گردون مماس کہ کریمہ لمسجد اسس علے التقوی بیان بنیان پائدار اوست و بنیہ والقی

فی الارض رواسی ان تمید بکم کتابۂ ایوان استوار او، قبہ و قبہ فلک شانش از طبقات آسمان گزشتہ و شرفۂ طاق سپہر نشانش باوجِ کیوان پیوستہ۔

بر دروازہ چہارم

گر ز طاق و قبۂ مقصورہ اش جوئی نشان
ہیچ نتواں گفت غیر از کہکشاں و آسمان
فرد بودی قبہ گر گردون نبودی ثانیش
طاق بودی طاق گر جفتش نبودی کہکشاں

فروغ شمع پیش طاق جہاں نمائش روشنی بخش مصابیح سموات پرتوِ کلس گنبد عالم آرایش نور افزاے قنادیل جنات منبر سنگ مرمرش چون صخرہ مسجد اقصیٰ مرقات۔

بر دروازہ پنجم:

مقام قاب قوسین او ادنیٰ محراب فیض گسترش مانند صبح صادق کشادہ پیشانی بشارت رسان ولقد جاءہم من ربہم الہدیٰ ابواب رحمت آمایش صلاے واللہ یدعوا الیٰ دار السلام بمسامع خاص و عام رسانیدہ منار سپہر مدارش ندای ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ از بہ رواق گنبد فیروزہ فام گذرانیدہ سقف رفیع باصفایش تماشا گاہ روحانیان کرۂ افلاک۔ بر دروازہ میانہ کتبہ یا ہادی بخط طغرا نوشتہ است۔

بر دروازہ ہفتم:

صحن وسیع دلکشایش سجدہ گاہ پاک نژادان معمورۂ خاک روح فضای فیض انتماو طیب ہواے روح افزائش از روضۂ رضوان حکایت کردہ و عذوبت ماء معین حوض دل نشین لطافت آمایش از چشمۂ سلسبیل خبر دادہ، در روز جمعہ دہم شہر شوال سال ہزار و شصت ہجری موافق سال چہارم از دور سیوم جلوس میمنت مانوس

بساعت خجستہ۔

بر دروازہ ہشتم:

وطالع شایستہ سرمایۂ ابتنا و پیرایۂ تاسیس یافت و در عرض مدت شش سال بحسن سعی کار پردازان کاروان کارگذار و فرط اعتنا و اہتمام کار فرمایان صاحب اقتدار و بذل جد و جہد استادان ماہر دانشور و وفور کوشش پیشہ کاران چابک دست صاحب ہنر و انفاق مبلغ دہ لکھ روپیہ صورت انجام و طراز اختتام پذیرفت و مقارن اتمام در روز عید فطر۔

بر دروازہ نہم:

بفر قدوم اقدس بادشاہ ظل اللہ صافی نیت خدا آگاہ زیب و زینت گرفت و باقامت نماز عید و اداى وظائف اسلام چوں مسجد الحرام در روز عید الضحیٰ مرجع طوایف انام گردید و مبانی اسلام و ایمان را متانت و رصانت کرامت فرمود و سیاحان ربع مسکون و مسالک نوردان کوہ و ہامون را آراستہ عمارتی باین رفعت و حصانت در آئینہ بصر۔

بر دروازہ دہم:

و مراۃ خیال مرتسم نگشتہ و حقایق گذران وقایع دہر و فکرت پردازان نظم و نثر را کہ سوانح نگاران بدایع ارباب ملک و دولت و صنایع شناسان اصحاب مکنت و قدرت اند، افراختہ بنای بایں شکوہ و عظمت بر زبان قلم و قلم زبان نگزشتہ فرازندۂ کاخ ہستی و طرازندۂ بلندی و پستی ایں بنیان رفیع را کہ قرۃ العین بینش و زینت بخش کارخانۂ آفرینش است۔

بر دروازہ یازدہم:

پایدار داشتہ صدای تسبیح متجانش راہنگامہ آرای ذاکران مجامعِ ملکوت و زمزمۂ تہلیلِ مہللانش را نشاط افزای بر معتکفانِ جوامعِ جبروت دارا و در عرس منابرِ معمورۂ جہان را بخطبۂ دولتِ جاوید طراز ایں پادشاہِ دادگر دین پرور کہ بمیامنِ ذاتِ مقدسِ مبارکش ابوابِ امن و امان بر روی روزگار کشادہ است آراستہ دارد بحق الحق و اہلہ کتبہ نور اللہ احمد۔ قطعہ تاریخ ایں مسجد چنین یافتہ اند۔

تاریخ

من نگویم کعبہ لیکن ایں قدر گویم کہ ہست
جبہۂ اوتاد عاشق سجدۂ ایں آستان
پرتوِ انوارِ او چوں عالم افروزی کند
صبح را گردد نفس، انگشت حیرت در دہان
مسجد از دین است می زیبد امامش جبرئیل
خلوتِ روحانیان را شمع باید بے دخان
دست استاد قضا تا از رخامش ساختہ
رو سفیدے آمدہ آمادہ گشت از بہر کان
نیست دروے حاصلِ اوقات اہل طاعتش
جز دعائے ثانی صاحب قران شاہ جہان
در بنائے خیر این سعی کہ دارد ہمتش
حاصل کاں جملہ خواہد گشت آخر حرف کان
تا ہمیشہ قبلۂ اسلام سمت کعبہ است
قبلہ گاہِ آرزو بادا جنابش جاودان

مسجدِ کاں کعبۂ ثانی است تاریخش بود
قبلۂ حاجات آمد مسجدِ شاہ جہان

ابجد کے حساب کی رو سے مادّۂ تاریخ کے عدد ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۷-۱۶۵۶ء) ہیں جبکہ اس کی تکمیل ۱۰۶۶ھ (۱۶۵۶-۱۶۵۵ء) میں ہوئی، لیکن چونکہ حکاکی اور جِلا کا تھوڑا سا کام باقی تھا، اِس لیے بادشاہ کے حکم سے تاریخ ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۷ - ۱۶۵۶ء) اس سال کی کہی گئی۔ (ص ص ۲۶۱ - ۲۶۳)

دار الشفا اور دار البقا:

مسجد کے باہر جنوبی اور شمالی حصّوں میں دار الشفا اور مدرسہ بہت خوبی سے بنایا گیا ہے۔
(ص ۲۶۳)

موتی مسجد لال قلعہ

یہ پوری مسجد سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ عالمگیر بادشاہ کے حکم سے سنہ ۲ جلوس میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کے خرچ سے تعمیر کی گئی۔ (ص ۲۶۸)

پُل سلیم گڑھ

۱۰۷۳ھ (مطابق ۱۶۶۲-۱۶۶۳ء) میں عہدِ خلافتِ عالمگیر بادشاہ میں نُورگڑھ، جو سلیم گڑھ کے نام سے مشہور ہے، پُل تعمیر کیا گیا۔ (ص ۲۷۰)

بائی کوکلدی کا مزار

دہلی میں شیخ نظام الدین اولیا کی باؤلی کے متصل ایک سنگِ مرمر کا بُرج ہے۔ اس بُرج میں اسی پتھر کی ایک قبر ہے کہ جس پر قرآن کی آیتیں اور خدا کے ننانوے نام بہت خوب صورت خط میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس تاریخ اور عبارت سے ایک ہزار اسّی برآمد ہوتے ہیں۔ تاریخ یہ ہے:

تاریخ

سال تاریخِ فوت او جُستم
از دل صاف نیز پاک سرشت
آہ سردے کشید وگفت بگو
باد ہمدم بحُوریانِ بہشت

۱۰۸۰

بائی کوکلدی بنتِ مُلایم خاں ۱۰۸۰ھ

(ص ۲۷۴)

زینتُ المساجد

عالمگیر بادشاہ کی پانچ لڑکیاں تھیں۔ پہلی زیبُ النسا بیگم، دوسری زینتُ النسا بیگم، تیسری زبدۃ النسا بیگم، چوتھی بدر النسا بیگم اور پانچویں مہر النسا بیگم —— زینت النسا بیگم نے اپنی زندگی ہی میں ایک مسجد تعمیر کی تھی جو زینتُ المساجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شاندار مسجد سُرخ پتھر کی بنی ہوئی ہے اور موضع دریا گنج میں واقع ہے۔ بیگم نے اپنے بھائی بہادر شاہ (اوّل) کے عہد میں ۱۱۲۲ ہجری مطابق (۱۷۱۰-۱۷۱۱ء) میں انتقال کیا اور اسی مسجد کے صحن میں دفن ہوئیں۔ قبر کے سرہانے آیت قُل یَا عبادی الذِین اور یہ شعر اور عبارت مرقوم ہے:

کتبہ

مونس مادر لحد، فضلِ خدا، تنہا بس است
سایۂ از ابرِ رحمت، قبر پوشِ ما بس است

امیدوار حسن فاتحہ خاتم زینت النسا بیگم بنتِ بادشاہ محی الدین محمد عالمگیر غازی انار اللہ م
برہانہ ۱۱۲۲ھ (ص ۲۹۷)

بہادر شاہ اوّل کا مزار

بہادر شاہ کا پورا مجر سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ شاہ جہاں آباد میں موتی مسجد سے متصل خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب واقع ہے۔ یہ مسجد بھی سرتاپا سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہے اور اسی بادشاہ (بہادر شاہ اوّل) نے تعمیر کرائی تھی۔ اور یہ شعر ان کے مزار کے سرہانے کندہ ہے۔ اس کے دوسرے مصرعے سے تاریخ وفات نکلتی ہے:

تاریخ

در خورِ نیّت بامرِ مصطفیٰ
شاہِ عالم را بود جنّت جزا

۱۱۲۴

ان کے مجرے سے متصل عالی گہر شاہ بادشاہ کی بھی قبر ہے۔

(ص ۲۹۸)

مسجد قطب الاقطاب

یہ مسجد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی درگاہ سے متصل ہے اور تین منزلہ ہے۔ پہلی منزل، جو کچی ہے، خواجہ موصوف نے اپنی زندگی میں تعمیر کی تھی۔ دوسری منزل اسلام شاہ (شیر شاہ سوری کا لڑکا) نے بنائی تھی؛ اور تیسری منزل فرخ سیر بادشاہ نے ایک ہزار ایک سو تیس ہجری میں تعمیر کی۔ اس پر یہ تاریخ کندہ ہے:

تاریخ

موردِ لطف و عنایاتِ شہِ والا جناب
خسروِ فرخ سیر شاہنشہِ مالک رقاب
ساخت از روی ارادت وز رسوخِ اعتقاد
مسجدے زیبا بنا و سجدہ گاہی شیخ و شاب
ہا سروشِ غیب بالا گفت در گوشِ خرد
سالِ تاریخِ بنائش بیت ربیّ مستجاب

۱۱۳۰

(ص ۳۰۳)

رفیع الدرجات کی قبر

تخت نشینی کے تین مہینے گیارہ دن بعد ۱۹ رجب ۱۱۳۱ھ مطابق (۱۷۱۹ء) کو اس کا انتقال ہوا، اور خواجہ قطب الدینؒ کی درگاہ میں اسے دفن کر دیا گیا۔ اس کی ماں کا نام نور النسا تھا۔

(ص ۳۰۴)

سنہری مسجد (چاندنی چوک)

شمس الدین رفیع الدولہ محمد شاہ جہاں ثانی (رفیع الدرجات کے بڑے بھائی) کا مزار

سات ذیقعدہ ایک ہزار ایک سو اکتیس ہجری (مطابق ۱۷۱۹ء) کو اکبر آباد میں انتقال ہوا ..... اس کی لاش کو دہلی لایا گیا، اور درگاہ قطب الدین (بختیار کاکیؒ) میں اس کے بھائی کی قبر کے پاس دفن کر دیا گیا۔

(ص ۳۰۵)

سنہری مسجد

یہ مسجد اینٹوں کی بنی ہوئی ہے۔ اسے نواب روشن الدولہ محمد شاہی نے ۱۱۳۴ ہجری، مطابق (۱۷۲۱-۲۲ء) میں شاہ جہاں آباد میں تعمیر کیا۔ اس عمارت کے بُرج طلائی ہیں، اس لیے سنہری مسجد کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ کوتوالی چبوترے کے قریب واقع ہے اور اس کی پیشانی پر یہ تاریخ مرقوم ہے:

تاریخ

بعہد بادشاہِ ہفت کشور
سلیماں فر، محمد شاہِ داور
بہ نذر شاہ بھیکہ آں قطبِ آفاق
شد ایں مسجد بزینت در جہاں طاق
خدا با نیست لیک از روی احسان (کذا)
بنام روشن الدولہ ظفر خان
بتاریخش ز ہجرت تا شمار است
ہزار و یکصد و سی و چہار است
۱۱۳۴

(ص ۳۰۸)

مسجد روشن الدولہ (دریا گنج)
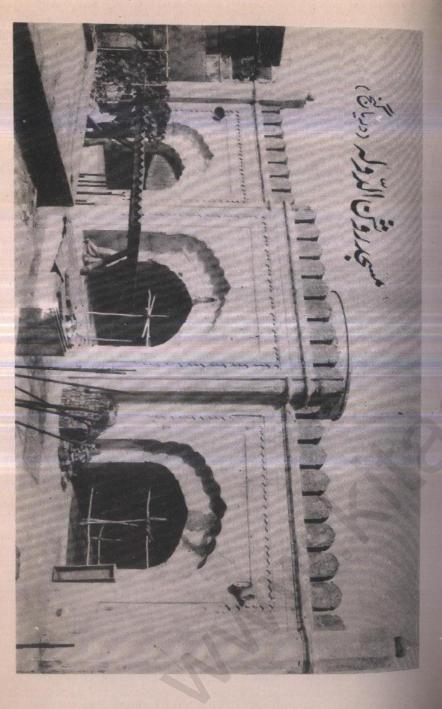
شرف الدّولہ کی مسجد

یہ مسجد اینٹوں کی بنی ہوئی ہے۔ لیکن اس کے بُرج پتھّر کے بنائے گئے ہیں۔ اس مسجد کے پاس مدرسہ ہے اور یہ مسجد اور مدرسہ نواب شرف الدولہ نے ۱۱۳۵ ہجری (مطابق ۱۷۲۲-۱۷۲۳ء) میں عہدِ محمد شاہ میں بنایا تھا۔ یہ مسجد شاہ جہاں آباد کے بازار دریبے میں واقع ہے۔ مسجد کی پیشانی پر تاریخ کے یہ اشعار منقوش ہیں۔

تاریخ

در زمانِ شہِ خورشید سریر
ظلِّ حق ماہِ زمیں شاہِ زمان
ناصرالدّین کہ محمد شاہ است
تیغ او کفر شکن در دوران
شرف الدّولہ بنا فرمودہ
مسجد و مدرسۂ عالی شان
این دو بیت الشرفِ علم و عمل
ہمچو سعدین فلک کردہ قرآن
سالِ تاریخِ بنا، گفت، خرد
قبلۂ حجِ ارادت کیشان

۱۱۳۵

(ص ۳۰۸)

مسجد روشن الدّولہ

یہ مسجد بہت نفیس و لطیف ہے۔ سراپا طلائی تھی۔ نواب روشن الدولہ نے عہد محمد شاہ

بادشاہ میں ۱۱۳۷ ہجری (مطابق ۱۷۲۴-۱۷۲۵ء) میں تعمیر کی۔ شاہ جہاں آباد کے موضع قاضی واڑے کے قریب واقع ہے۔ یہ وہی مسجد ہے کہ جس میں بیٹھ کر نادر شاہ نے قتلِ عام کا حکم دیا تھا۔ یہ چند شعر اس کی پیشانی پر بہ طورِ تاریخ مرقوم ہیں :

تاریخ

شکرِ حق، کز یمنِ فیضِ سیّدِ عرفان پناہ
شاہ بھیکہ آن مرشدِ کامل ولایت دستگاہ
در زمانِ شاہ اسکندر نشاں جمشید قدر
معدلت گستر، محمد شاہِ غازی بادشاہ
روشن الدولہ ظفر خاں صاحبِ جود و کرم
کرد تعمیرِ طلائی مسجدِ عرش اشتباہ
مسجدے کاندر فضاءِ صحن قدرش آسمان
گردہ از تارِ شعاعِ مہر جاروبِ نگاہ
حوضِ صاف او نشان از چشمۂ کوثر دہد
ہر کہ از آبش وضو سازد شود پاک از گناہ
سالِ تاریخش رسائے یافت از الہامِ غیب
مسجدے چوں بیتِ اقصیٰ، مہبطِ نورِ الٰہ

(ص ۳۰۹)

شاہِ مرداں

دہلی میں ایک عمارت ہے کہ جہاں ایک پتھر پر قدم کا نشان بنا دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے قدم کا نشان ہے اور اس نقشِ پا کو سنگِ مرمر کے حوض

ہیں نصب کیا ہے۔ اس کے گرد خواجہ حافظ کا یہ شعر منقوش کر دیا ہے :

بیت

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود
۱۱۳۷

ہر مہینے کی بیس تاریخ (چاند کی) کو مسلمان زیارت کے لیے جاتے ہیں اور وہاں عورتوں اور مردوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ اس عمارت کا احاطہ پختہ ہے اور اس کے شمالی دروازے پر جو گیارہ سو باسٹھ ہجری میں تعمیر ہوا تھا، یہ تاریخ لکھی ہوئی ہے۔

قال محمد حبیب اللہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا ۱۱۶۲ھ در عہدِ مبارک احمد شاہ بہادر بادشاہ غازی بہ موجب ارشاد نواب قدسیہ حضرت صاحبہ زمانیہ باہتمام نواب بہادر جاوید خاں صاحب بسر براہے خاکسار لطف علی خاں تعمیر قلعہ و مجلس خانہ و مسجد و حوض در یک سال مرتب شد۔

(ص ص ۳۰۹ - ۳۱۰)

باغ ناظر روز افزوں

یہ باغ عہدِ محمد شاہ میں غالباً ۱۱۳۹ ہجری (مطابق ۲۶-۱۷۲۷ء) میں تعمیر ہوا تھا۔ باغ مذکور شاہ جہاں آباد میں روضۂ قطب (درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی) میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف چہار دیواری بنائی ہے اور اس میں بہت خوب صورت مکان بنائے ہیں۔ باغ کے دروازے پر یہ تاریخ کندہ ہے :

تاریخ

بفرمانِ محمد شاہِ عادل
کہ بر فرقش بود تاجِ مبارک

فخر المساجد
Roja
AGGARWAL
CLINIC
S. C. AGGARWAL

"
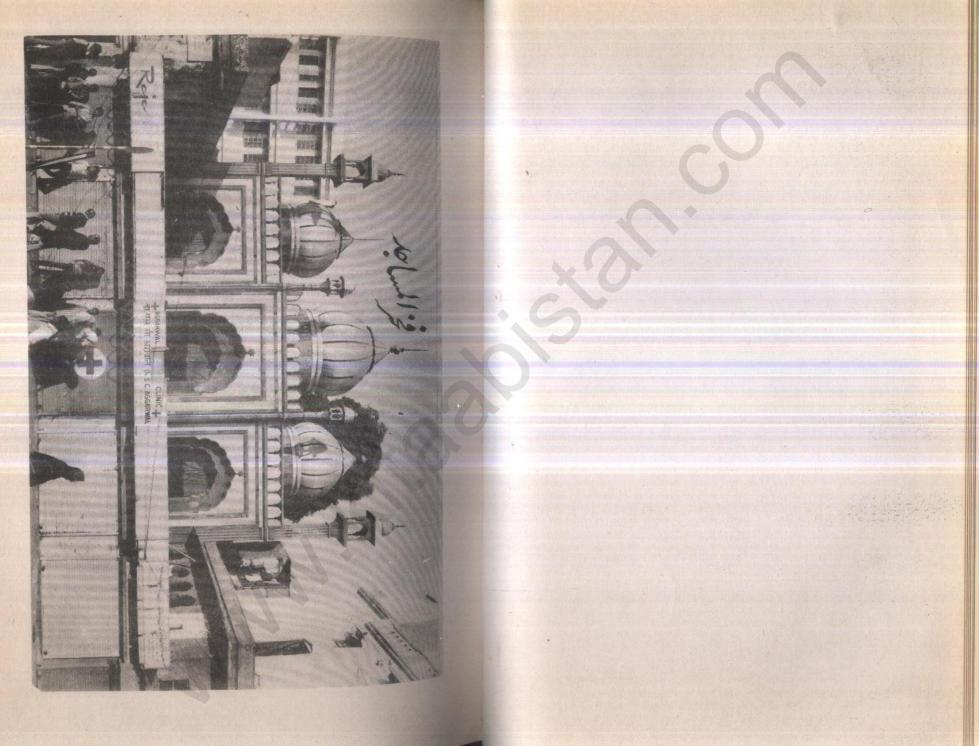
بنائے گلشنے در قطب گر دید
کہ گلہایش زند رضوان تبارک
بود سرسبز دایم روز افزوں
بہ حقِ سورۂ صاد و تبارک
پئے تاریخِ سالش، گفت ہاتف
خدا یارے بود باللہ مبارک

(ص ۳۱۲)

فخر المساجد

اِس خوب صورت مسجد کو نواب شجاعت خاں کی بیوہ فخر النسا بیگم نے شوہر کی وفات کے بعد ایک ہزار ایک سو اکتالیس ہجری (مطابق ۱۷۲۸- ۱۷۲۹ء) میں بنایا تھا۔ شاہ جہاں آباد میں کشمیری بازار کے قریب واقع ہے۔ مسجد کے باہر کے دروازے پر فخر المساجد کندہ ہے، اور مسجد کی پیشانی پر یہ شعر لکھے ہوئے ہیں:

خانِ دین پرور، شجاعت خاں بہ جنّت یافت جا
با رضائے حق تعالیٰ، از طفیلِ مرتضےٰ
صدر خاتونانِ کنیز فاطمہ فخرِ جہاں
یادگارش ساخت ایں مسجد بہ فضلِ مصطفےٰ

(ص ۳۱۲)

محمد شاہ کی قبر

محمد شاہ (محمد شاہ بادشاہ) کا مجر، جسے نہایت لطیف اور نفیس بنایا ہے۔ ان کی والدہ کی قبر کے برابر، نظام الدین اولیاؒ کے مزار کے پائیں میں احاطے کے اندر ہی واقع ہے۔
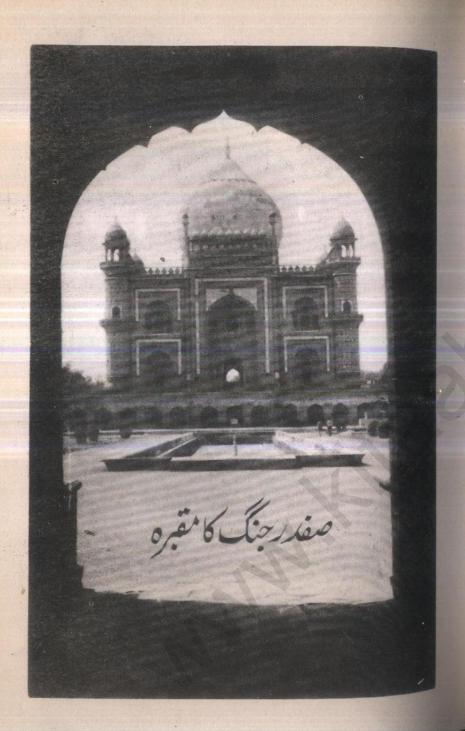
(ص ۳۲۷)

مقبرہ صفدر جنگ

صفدر جنگ دلّی سے صوبۂ اودھ کی طرف جا رہے تھے۔ ابھی وہ پاپڑ گھاٹ میں تھے اور ابھی صوبۂ اودھ سے تین منزل کے فاصلے پر تھے کہ ان کے پھوڑے میں شدید درد ہوا۔ برہان الملک کے بھی ایسا ہی پھوڑا نکلا تھا۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۷ ہجری (مطابق ۱۷۵۴ء) میں ان کا انتقال ہوگیا۔ کچھ دن کے لیے ان کی لاش فیض آباد کے گلاب باڑی میں بطور امانت دفن کی گئی۔ اس کے بعد شاہجہاں آباد لائی گئی۔ ان کا مقبرہ درگاہ شاہِ مرداں کے متصل ایک شاندار عمارت میں ہے جس میں رنگین پھولوں سے بھرے ہوئے باغ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس مقبرے کی تعمیر میں تین لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ مقبرے میں یہ تاریخ کندہ ہے:

تاریخ

چوآں صفدرِ عرصۂ مردمی
زوارِ فنا گشت رحلت گزیں
چنیں سالِ تاریخ او شد رقم
کہ بادا مقیمِ بہشتِ بریں

(ص ۳۳۵)

عزیز الدّین محمد عالمگیر ثانی بادشاہ غازی کا مزار

۸ ربیع الثانی ۱۱۷۳ ہجری (مطابق ۱۷۵۹ء) کو انھیں قتل کیا گیا، اور ان کی لاش اوپر سے دریا کی طرف جمنا کی ریتی میں پھینک دی گئی۔ چھے گھڑی بعد ان کی لاش ایک کسان کو ملی۔ ہمایوں کے مقبرے میں انھیں دفن کیا گیا۔

(ص ۳۴۱)

مقبرہ مرزا نجف خاں

مرزا مظہر جانِ جاناں کا مزار

ان کا مزار شاہ جہاں آباد میں شاہ غلام علی کی خانقاہ میں ہے۔ ۱۱۹۴ ہجری یا ۱۱۹۵ ہجری (مطابق ۱۷۸۰ - ۱۷۸۱ء) کے ماہ محرم میں انھیں قتل کیا گیا۔

(ص ۳۵۸)

مرزا نجف خاں کا مزار

۸ رجمادی الآخر ۱۱۹۶ ہجری مطابق ۲۲ر اپریل ۱۷۸۲ء میں انچاس سال کی عمر میں شاہ جہاں آباد میں انتقال ہوا۔ انھوں نے شاہ مرداں کے قریب زمین خریدی تھی، وہیں مدفون ہوئے۔

(ص ۳۵۹)

مولانا فخر الدین کا مزار

ان کا مزار سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے، اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے دروازے کے قریب مسجد کے عقب میں ہے۔ ان کے مزار پر جو تاریخ مرقوم ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان کا ۱۱۹۹ ہجری (مطابق ۱۷۸۴ - ۱۷۸۵ء) میں انتقال ہوا۔ تاریخ یہ ہے :

تاریخ

بگذاشت فخرِ دیں چوں مہمان سرائے فانی
بر آستانہ جا داد آں قطبِ جاودانی
سالِ وصالِ آں ماہ از غیب چوں بجستم
تاریخ گفت ہاتف "خورشید دو جہانی"

۱۱۹۹ھ

(ص ۳۶۰)

شاہ عالم بادشاہ کا مزار

ان کا مزار شاہ عالم بہادر شاہ کے مجرے کے متصل دہلی میں ہے اور ان کے سرہانے تاریخِ وفات کے یہ اشعار کندہ ہیں:

شد مہر اوجِ تاجوری در حضیضِ خاک
دردا کہ از غبارِ کسوفِ اجل نہاں
یعنی کہ شاہِ عالم عالم پناہ کرد
زیں عالم انتقال بہ نزہت گہِ جناں
سید نوشت خامۂ معجز طرازِ من
بیتی کہ سال آنست زہر مصرعی عیاں
وے آفتاب روے زمین بودہ پیش ازیں
شد آفتاب زیرِ زمیں آہ وا ہماں

۱۲۲۱ھ

(ص ۳۷۵)

مجلسِ خانہ

دہلی میں درگاہ شاہِ مرداں کے قریب یہ عمارت ہے۔ اسے محمد اکبر شاہ ثانی کے حکم پر عشرت علی خاں ناظر نے ۱۲۲۳ ہجری (مطابق ۱۸۰۸ - ۱۸۰۹ء) میں تعمیر کیا تھا۔ ہر سال محرم میں مسلمان یہاں اکٹھا ہوتے ہیں اور مرثیہ پڑھتے ہیں۔ اِس وجہ سے اس عمارت کو مجلس خانہ کہا جاتا ہے۔ اس عمارت کی درج ذیل تاریخ تعمیر وہاں نصب ہے:

تاریخ

بہ درگاہِ شاہنشہِ دوسرائے
علی شاہِ مرداں ولیِ خدائے

نقار خانہ
شاہِ مرداں

بہ حکمِ شہِ اکبرِ نام ور
چو عشرت علی خاںؔ بیاراست جاے
زسید شدم، سائلِ سالِ آں
ہمیں زد رقمؔ داد ناظر بناے

۱۲۲۳ھ

(ص ۳۷۶)

نقّار خانہ

اِس عمارت (مجلس خانہ) کے سامنے نقّار خانے کا دروازہ ہے جسے صادق علی خاں نے ۱۲۳۷ ہجری میں تعمیر کیا تھا

(ص ۳۸۰)

شہزادہ مرزا جہانگیر کا مزار

۱۲۳۶ ہجری مطابق ۱۸۲۱ء میں الٰہ آباد میں انتقال ہوا۔ ان کی لاش دہلی لائی گئی۔ ان کا مزار مسجد نظام الدّین اولیا کے صحن میں مجحر محمد شاہ بادشاہ کے متّصل ہے۔ ان کا اور محمد شاہ بادشاہ دونوں کے مجحر سنگِ مرمر کے اور ایک ہی انداز کے ہیں۔

(ص ۳۷۹)

شاہ محمد آفاق کا مزار

یہ شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانیؒ کی اولاد میں اور شیخ ضیا الدّین کے خلیفہ تھے۔ ۷، محرم ۱۲۵۱ ہجری (مطابق ۱۸۳۵ء) کو ان کا انتقال ہوا۔ شاہ جہاں آباد کے مضافات میں مغل پورہ میں مدفون ہوئے۔

(ص ۳۹۱)

اکبر شاہ ثانی کا مزار

ان کا اور ان کے باپ کا مزار شاہ عالم بہادر شاہ کے مجحر کے قریب دلّی میں ہیں۔
(ص ۳۹۴)

خلاصۃ التواریخ

مولّفہ

منشی سجان رائے بھنڈاری

صوبۂ دار الخلافت شاہجہاں آباد:

ہندی (غالباً سنسکرت سے مُراد ہے) اور فارسی تاریخوں کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ پُرانے زمانے میں ہندوستان کے فرمانرواؤں کی تخت گاہ ہستناپور تھی۔ (یہ شہر) دریاے گنگا کے کنارے تھا۔ اس زمانے میں یہ شہر بہت وسیع اور کشادہ تھا۔ اگرچہ اب تک آباد ہے لیکن زیادہ آبادی نہیں ہے۔ (ص ۲۸)

شہر اندرپت:

پانڈوں اور کوروں کی فرمانروائی کے زمانے میں ان دونوں فریقوں میں اختلاف اور تنازع پیدا ہوگیا۔ پانڈو ہستناپور سے دریاے جمنا کے کنارے اندرپت شہر میں آگئے اور (اس شہر کو) اپنا دارالسلطنت بنا لیا۔ (ص ۲۸)

شہر دلّی:

عرصۂ دراز کے بعد ۴۴۰ بکرماجیت میں راجا اننگ پال نے اندرپت کے قریب شہر دلّی

آباد کیا۔ (ص ۲۸)

قلعہ رائے پتھورا:

اس کے بعد سنہ ایک ہزار دو سو اور کچھ بکرماجیت میں اپنے نام سے قلعہ اور شہر بنایا۔ سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش قلعہ رائے پتھورا میں رہے۔

(ص ۲۸)

مرزغن:

(اس کے لغوی معنی دوزخ اور قبرستان کے ہیں)

سلطان غیاث الدین بلبن نے ۶۶۶ھ (۱۲۶۸-۱۲۶۷ء) میں ایک اور قلعے کی بنیاد رکھی۔ اور اسے مرزغن کے نام سے موسوم کیا۔ (ص ۲۸)

شہر کیلوکھڑی:

۶۸۶ھ (۱۲۸۸-۱۲۸۷ء) میں معز الدین کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارے ایک اور شہر آباد کیا جو دل کشا عمارتوں پر مشتمل تھا اور کیلوکھڑی اس کا نام رکھا۔ چناں چہ کتاب "قران السعدین" (معز الدین کیقباد کی فرمائش پر امیر خسرو نے یہ مثنوی لکھی تھی جس میں کیقباد اور کیلوکھڑی کی مختلف عمارتوں کی تعریف ہے) میں امیر خسرو اس کی تعریف کرتے ہیں۔ (ص ۲۸)

کوشک لعل اور کوشک سیری:

سلطان جلال الدین خلجی نے شہر کوشک لعل اور سلطان علاء الدین نے کوشک سیری نام سے شہر آباد کیا اور اُن کو دار السلطنت بنایا۔ (ص ۲۸)

تغلق آباد:

۷۲۵ھ (۱۳۲۵-۱۳۲۴ء) میں سلطان غیاث الدین تغلق شاہ نے تغلق آباد نام سے

شہر بنایا۔ (ص ۲۸)

قصر ہزار ستون :

(غیاث الدین تغلق)۔ کے بیٹے سلطان محمد فخر الدین جونا نے (محمد شاہ تغلق) ایک اور شہر کی بنیاد رکھی اور ہزار ستون نام سے ایک بہت بلند قصر تعمیر کیا اور سنگِ رخام (سنگِ مرمر کے انداز کا سفید پتھر۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ سنگِ مرمر ہی ہوتا ہے) سے اسے بنایا۔ (ص ۲۸)

فیروز آباد :۔

۷۵۵ھ (۱۳۵۴ء) میں فیروز شاہ تغلق نے فیروز آباد نام سے ایک بڑا شہر آباد کیا اور جمنا کو کاٹ کر قریب لے آیا۔ فیروز آباد میں ایک کوشک تعمیر کیا اور اس میں مینارہ جہاں نما بنایا۔ (یہ منارہ) اب تک ایک چھوٹی سی پہاڑی پر قائم ہے۔ عوام اس کو فیروز شاہ کی لاٹھ کہتے ہیں۔

(ص ۲۸)

مبارک آباد :

سلطان مبارک شاہ نے مبارک آباد (نام کا شہر) آباد کیا۔

(ص ص ۲۸۔ ۲۹)

دین پناہ :

حضرت نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ نے ۹۳۸ھ (۱۵۳۲۔ ۱۵۳۱ء) میں اندرپت کے قلعے کی مرمّت کی اور اس میں کچھ نئی تعمیرات کیں۔ دین پناہ نام رکھا اور اسے دار الخلافہ مقرر کیا۔

(ص ۲۹)

شیر شاہ کا شہر :

شیر شاہ افغان نے شہر علائی کو کہ کوشک سیری کے نام سے مشہور تھا، ویران کر کے

لال قلعہ ۔ دہلی دروازہ

ایک اور شہر کی بنیاد رکھی۔ (ص ۲۹)

قلعہ سلیم گڑھ :

۹۵۳ھ (۱۵۴۷-۱۵۴۶ء) میں اس (شیر شاہ سوری) کے بیٹے سلیم شاہ نے قلعہ سلیم گڑھ تعمیر کیا کہ جو آج تک دریائے جمنا کے بیچ میں شاہ جہاں آباد کے قلعے کے سامنے موجود ہے۔ اگرچہ ان فرمانرواؤں نے "جو شہر بھی آباد کیا" اسے دارالسلطنت بنا لیا لیکن دوسرے دارالخلافوں (ملکوں) میں ہندوستان کے حکمرانوں کا دارالسلطنت دلّی ہی مشہور تھا۔ (ص ۲۹)

شاہ جہاں آباد :

حضرت شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ غازی صاحب قِران ثانی نے اپنے بارہویں سال جلوس مطابق ۱۰۴۸ھ میں دلّی کے قریب ایک شہر آباد کیا اور شاہ جہاں آباد اس کا نام رکھا۔ اس شہر کے آباد ہونے سے قدیم بادشاہوں کے بنائے ہوئے تمام شہروں کی رونق ماند پڑ گئی اور (تمام شہر اس میں شامل ہو گئے) شاہ جہاں آباد نام سے مشہور ہو گئے۔ جس طرح کہ دریائے گنگا میں جب دوسرے دریا گرتے ہیں تو اُن کا نام بھی دریائے گنگا ہو جاتا ہے۔ (ص ۲۹)

لال قلعہ :

(اس شہر کا) قلعہ سنگِ سُرخ سے بہت مضبوط بنایا گیا۔ اور اس قلعے کی پاکیزہ اور طرح طرح کی فرحت بخش عمارتیں اور نشیمن اور عظیم الشان ایوان، بہتی ہوئی نہریں، بڑے بڑے تالاب وسیع حوض، اونچے اونچے فوارے، سدا بہار باغ، پھلوں سے لدے درخت ـــ ہر چیز جنت کی یاد دلاتی ہے اور ہر قطعہ فردوس معلوم ہوتا ہے۔ ہر قصر، قصرِ قیصری سے زیادہ خوبصورت لگتا ہے، اور اس کا ہر ایوان، ایوانِ کسریٰ کی طرح دل کو لبھاتا ہے۔ ؎

چو جنّت بر زمینش ہر مکانی
بُود در ہر مکانی، بوستانی
خیابانش چناں عشرت سرشت است
کہ گویا کوچہا، راہِ بہشت است
ہوایش دل کشا و دل نشین است
طراوت خانہ زادِ ایں زمین است

(قلعے کے گرد) ایک چوڑی خندق ہے۔ جو اتنے صاف و شفاف پانی سے بھری ہوئی ہے کہ اندھیری رات میں ریت کا ایک ایک ذرہ نظر آتا ہے (خندق کی) گہرائی کا یہ حال ہے کہ مچھلیاں ماہی زمین سے باتیں کرتی ہیں۔ ؎

در تہہ آبش ز صفا، ریگ خورد
کور تواند، بدلِ شب شمرد
عمق در و کار بجای رسید
کز تہہ آن گشت زمیں ناپدید

مشرق کی طرف جمنا قلعے کی پابوسی کا شرف و افتخار حاصل کرتی ہے اور ہزارہا آب و تاب کے ساتھ بہتی ہے۔ کوہ سرمور کے پاس سے جمنا سے ایک نہر کاٹ کر لائی گئی ہے اور وہ کوچوں اور بازاروں سے گزر کر شہر کی رونق بڑھاتی ہے اور اہل شہر کو فیض پہنچاتی ہے۔ شاہی محل (لال قلعہ) میں داخل ہوکر یہ نہر تالابوں اور حوضوں کو بھرتی ہے اور باغوں کو شاداب کرتی ہے۔ یہ نہر فوّاروں کے راستے باہر نکل کر عجیب و غریب منظر پیش کرتی ہے۔

(ص ۲۹)

حصار شہر پناہ:

شہر کی فصیل اینٹ اور پتھر سے بنائی گئی ہے۔ جس کا گھیر اتنا بڑا ہے کہ قیاس میں بھی نہیں آسکتا۔ اس فصیل کے باہر اور اندر کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

روم وزنگ، شام وفرنگ، انگلستان (سجان رائے نے یہاں انگریز لکھا ہے) ولندیز، یمن و
عربستان، خراسان وخوارزم، ترکستان وکابل، زابلستان، خطا وختن، چین، کاشغر، قلماستان،
تبت وکشمیر اور ہندوستان کے کونے کونے سے لوگ یہاں آکر آباد ہوگئے ہیں۔ ان سب
لوگوں نے یہاں کی وہ زبان سیکھ لی ہے، جو ہندوستان کی اصل زبان ہے اور اپنے پیشوں میں
مصروف رہتے ہیں (غالباً سجان رائے کی مُراد یہ ہے کہ یہاں کی زبان سیکھ کر اپنے
کاروبار میں استعمال کرتے ہیں) یہاں آبادی کی ترتیب نثر کے ان فقروں کی طرح ہے، جو
باہم مربوط ہوتے ہیں اور آبادی کا طریقہ نظم کے شعروں کی طرح ہے، جو ایک دوسرے سے
پیوست ہوتے ہیں۔ اس کی دل کشا عمارتیں بہت خوب صورت اور تعمیرات فرح بخش جاں فزا ہیں۔
(ص ۳۰)

دلی کے گلی کوچے:

اس کے کوچے خیابانِ گلشن کی طرح سجے ہوئے اور ہر محلّے کے چوک باغ کی طرح
خوب صورت اور دل فریب نظر آتے ہیں۔ ہر گھر میں سدا بہار باغ لگے ہوئے ہیں اور ہر
کوچے میں پانی سے لبریز نہریں ہیں۔ اس کے بازار کی سڑکیں کہکشاں کی طرح دل آویز
اور خوب صورت اور اس کی دُکانیں دلبروں کی ابروؤں کی طرح طربناک ہیں۔ (ص ۳۰)

دلّی کے بازار:

بازاروں میں ہر ملک کی نادر اور بہترین چیزیں اور ہر بندرگاہ کا سامان اور دنیا کی عجیب وغریب چیزیں
موجود ہیں۔ بدخشاں کے لعل، یاقوت، مروارید، مرجان، بہترین موتی اور چمکتے ہوئے قیمتی پتھروں
کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور طرح طرح کے ہتھیار، کھانے پینے کا سامان، قسم قسم کی دوائیں،
عطریات اور آلات کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور ہر ملک کے طرح طرح کے خشک وتر میوے،
کھانے پینے کا شوق رکھنے والے لوگوں کے ذوق کی آسودگی ہوتی ہے۔ عجیب وغریب ہاتھی، بادرفتار
گھوڑے، باربردار اور تیز رفتار ساڈنیاں ہزاروں کی تعداد میں فروخت ہوتی ہیں اور روز خرید وفروخت

کا ہنگامہ گرم رہتا ہے۔ گاہکوں اور دُکان داروں کی غیر معمولی بھیڑ ہوتی ہے اور تجملات بادشاہی
سامان اور سلطنت کے کارخانہ جات کی ضروریات ایک ہی دن میں خریدی جاسکتی ہیں۔ ہزاروں
ں کا ساز وسامان ذرا سی دیر میں خریدا جاسکتا ہے۔ (یہاں چار فارسی شعر دیے گئے ہیں،
ں ترک کیا جاتا ہے) (ص ۳۰)

جامع مسجد:

اگرچہ ہر کوچہ وبازار میں مسجدیں، عبادت گاہیں، خانقاہیں اور مدرسے تعمیر کیے گئے ہیں،
جہاں لوگ دنیا وعقبیٰ کا سامان حاصل کرتے ہیں، لیکن ۱۰۶۰ھ مطابق ۲۴ سال جلوس شاہجہانی میں
شہر کے بیچوں بیچ سُرخ پتھر سے ایک بڑی مستحکم جامع مسجد بنائی گئی ہے۔ (یہ مسجد اتنی بلند اور رفیع
ہے کہ مؤذن کی آواز فرشتوں کے کانوں تک پہنچتی ہے اور اتنی وسیع ہے کہ اس میں ایک دُنیا
سماجائے۔ اس کے منبر کی بلندی سے شریعت کو عروج حاصل ہے، اس کی محراب سجدہ گاہِ اہلِ طریقت
ہے، اس کے گنبد، گنبدِ آسمان کی طرح بلند، اس کے مینار آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہیں۔
اس کے در اہلِ ہمّت کے دروازوں کی طرح کُشادہ، اس کے حجرے اربابِ ریاضت کی عبادت گاہ،
اس کے برج اور نشیمن طالب علموں کی درس گاہ، اس کا صحن کدورت سے پاک صاف لوگوں کے
دل کی طرح اور اس کا حوض حوصلہ مند لوگوں کی طرح فیض پہنچانے والا (یہاں فارسی کے تین شعر
ہیں جنھیں چھوڑا جاتا ہے) (ص ۳۱)

بادشاہی حمام:

سجان رائے نے حمام کی صرف شاعرانہ تعریف کی ہے اور کوئی کام کی بات نہیں بتائی، اس
لیے وہ عبارت ترک کی جاتی ہے۔ خلیق (ص ۳۱)

شاہجہاں آباد کی تعریف میں:

القصہ یہ ایک شہر ہے جو بہت وسیع ہے اور دارالخلافہ ہے اور ہفت اقلیم کے سیّاحوں کا

مقبرہ ہمایوں

مرکز ہے۔ دنیا کی سیر کرنے والوں نے اتنا بڑا اور اتنی زیادہ آبادی والا شہر روے زمین پر نہیں دیکھا۔ روم کا دار السلطنت استنبول اپنی وسعت کی وجہ سے مشہور ہے لیکن (شاہ جہاں آباد) کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ قزوین اور اصفہان جیسے شہر جو والیِ ایران کے دار الخلافہ ہیں، لطافت و خوبی میں اُن کی بہت شہرت ہے۔ اس کے ایک محلّے کے برابر بھی نہیں ہے۔ یہاں کے شعرائے مظہر بلاغت و کمال اور فصحاے اربابِ حال وقال نے اس شہر کی خوبیوں میں بے مثال نظم ونثر لکھی ہیں (منشی سجان راے نے یہاں دس فارسی شعر نقل کیے ہیں جنھیں ہم نے ترک کر دیا ہے)۔

(ص ٣٢)

مقبرہ ہمایوں:

اس بڑے شہر کے اطراف میں پُرانے بادشاہوں کے بہت سے مقبرے ہیں لیکن سب سے زیادہ مشہور مقبرہ حضرت نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ کا ہے۔ جو کیلو کھڑی کیقباد میں جمنا کے کنارے واقع ہے۔ (ص ٣٣)

درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین محمد بختیار کاکیؒ:

اپنے زمانے کے مشہور و معروف امرا، وزرا، علما اور فضلا کے مقبرے، جن کے ساتھ باغ ہیں اور اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ ان کی گنتی نہیں کی جاسکتی۔ غرض گزرے ہوئے لوگوں کے خواب گاہوں کی ایک جُداگانہ بستی ہے اور اسی طرح بہت سے اولیا کے متبرک مزارت اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ انھیں ضبطِ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ انہی میں سے شہر سے دو تین کوس کے فاصلے پر خواجہ قطب الدین محمد بختیار کاکیؒ، بن خواجہ کمال احمد موسیٰ کی درگاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کا اصلی وطن فرغانہ ہے، لڑکپن ہی میں جذبۂ الٰہی سے سرشار ہو گئے تھے۔ حضرت خضر سے ملاقات کا موقع ملا، جس کی وجہ سے دل کے آئینہ پر صیقل ہوگیا۔ اٹھارہ سال کی عمر تھی کہ خواجہ معین الدین چشتی نے خواب میں انھیں اپنی خلافت کا رتبہ عطا کیا۔ (حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے) مسافرت اختیار کرلی۔ بغداد پہنچے اور شہر کے بہت سے

اولیا سے فیض پایا اور پھر ملتان آگئے۔ یہاں شیخ بہاءُالدین زکریا سے ملاقات ہوئی۔ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دیدار کی آرزو پیدا ہوئی اور دلّی آگئے۔ مرشدِ حقیقی کو بھی الہام رَبّانی ہوا اور وہ ملاقات کے لیے اجمیر سے دلی تشریف لے آئے۔ درگاہ الٰہی میں بار پانے والے ایک دوسرے سے مل کر خوش ہوئے اور کچھ دن تک ساتھ رہے اور پھر خواجہ معین الدّینؒ اجمیر چلے گئے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دلّی ہی میں سکونت اختیار کر لی، اور لوگوں کو فیض پہنچایا۔ ایک مدت بعد ۱۴ ربیع الاوّل کی صبح ۶۳۳ھ میں اس دنیا کو خیرباد کہا۔ (ص ۳۳)

مزار حضرت شیخ نظام الدین اولیا:

اس کے نزدیک ہی شیخ نظام الدّین اولیاؒ عرف محمد پور احمد دانیال (شیخ محمد احمد بن دانیال المعروف بہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ) کا مزار مظہر انوار ہے۔ آپ کی غزنین میں ۶۳۳ھ (۳۶-۱۲۳۵ء) میں ولادت ہوئی۔ جب آپ سنِ رشد کو پہنچے تو بعض اتفاقات کی وجہ سے بدایوں آ گئے۔ یہاں علوم رسمی حاصل کیے۔ چوں کہ بحث و مباحثے میں وہ غالب رہتے تھے، اس لیے نظام 'محفل شکن' کے نام سے مشہور ہو گئے اور بیس سال کی عمر میں قصبہ اجودھن (پاک پٹن) پہنچے۔ شیخ فریدالدین گنج شکر کے مرید ہو گئے۔ اس طرح گویا گنجینۂ معنوی کی چابی ہاتھ آ گئی۔ لوگوں کی رہنمائی کے لیے دہلی جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ بہت سے طالبوں نے ان سے فیض پا کر اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔ چناں چہ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ، دلّی میں امیر خسروؒ، بنگالہ میں شیخ علاء الحق اخی سراج، چندیری میں شیخ یعقوب، مالوہ میں شیخ کمال، دھار میں مولانا غیاث الدین، اُجّین میں مولانا مغیث، گجرات میں شیخ حسام الدّین اور دکن میں شیخ برہان الدّین اور خواجہ حسن اور دیگر مقامات پر ان کے بہت سے دوسرے خلیفہ مشہور ہیں۔ ابھی تک ان میں سے ہر ایک کے خلیفہ اور اولاد ان علاقوں میں عوام کی رہنمائی میں مصروف ہیں۔ مختصر یہ کہ بدھ کے دن ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) کی صبح دن چڑھے آپ انتقال فرما گئے۔ (ص ۳۳)

توزکِ جہانگیری

مولّفہ

مرزا محمد ہادی

سلیم گڑھ:

۱۸ر تاریخ کو جمعرات کے دن ہم دلّی پہنچے۔ سلیم خاں افغان نے اپنے عہدِ حکومت میں دریائے جمنا کے بیچ میں ایک عمارت تعمیر کی تھی اور سلیم گڑھ اس کا نام رکھا تھا۔ ہم نے اس میں قیام کیا۔ ہمارے والد بزرگوار نے وہ، مرتضیٰ خاں کہ جن کا وطنِ اصلی دلّی تھا، کو یہ عمارت دے دی تھی۔ حضرت جنّت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) کے حکم سے خان مذکور نے دریا کے پاس پتھر کی ایک عمارت تعمیر کی جو بہت لطیف خوبصورت اور خوشنما ہے۔ اس عمارت کے نچلے حصّے میں پانی سے متصل ایک مربع چوکھنڈی بنائی گئی ہے، جس پر کاشی کاری کا کام ہے۔ ایسی ہَوا دار جگہیں بہت کم ہیں۔ جن دنوں حضرت جنّت آشیانی دہلی میں تشریف رکھتے تھے تو اکثر اوقات اپنے مصاحبوں اور ہم نشینوں کے ساتھ وہاں بیٹھتے۔ میں چار دن اس عمارت میں رہا اور اپنے مقرّبوں اور دوستوں کے ساتھ شراب کی محفلیں سجائیں اور دادِ عیش و کامرانی دی۔

دہلی کے حاکم معظم خاں نے نذریں پیش کیں۔ دوسرے جاگیرداروں اور دوسرے لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق نذریں پیش کیں۔

ہم چاہتے تھے کہ بلدۂ مذکور کے مضافات پرگنۂ پالم میں، جو شکار کے لیے مقرر ہے، ہانکہ ڈال کر شکار کریں اور کچھ دن اس شکار میں مشغول رہیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ آگرے پہنچنے کی

گھڑی (جیوتش کے حساب سے) بہت قریب آگئی ہے اور پھر قریبی زمانے میں وہ گھڑی نہیں آئے گی۔ ہم نے (شکار کا) ملتوی کر دیا اور کشتی میں بیٹھ کر دریا کے ذریعے (آگرے کے لیے) روانہ ہو گئے۔

(ص ۶۵)

عملِ صالح

الموسوم بہ

شاہ جہاں نامہ

(جلد سوم)

تصنیف : محمد صالح کنبو

ترتیب و تحشیہ : ـــــــــــ ڈاکٹر غلام یزدانی

ترمیم و تصحیح : ـــــــــــ ڈاکٹر وحید قریشی

اردو ترجمہ : ـــــــــــ ڈاکٹر نازحسن زیدی

دلی کی نہر

سلطان فیروز شاہ (تغلق) نے اپنے عہدِ حکومت میں پرگنہ خضر آباد سے سفیدوں، جو اس کی شکار گاہ تھی، تک ایک نہر بنائی تھی۔ یہ نہر تیس کوس لمبی تھی۔ فیروز شاہ کی وفات کے بعد وقت گزرتا گیا۔ (نوبت یہاں تک پہنچی کہ نہر مٹی سے اَٹ گئی) اور بند ہو گئی۔ حضرت عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) کے عہد میں دہلی کے صوبے دار شہاب الدین خاں نے نہر مذکور کی مرمت کرا کے اسے جاری کیا۔ اس کے

انتقال کے بعد کسی اور نے (نہر کی) تعمیر اور ترمیم کی طرف توجہ نہیں کی (بادشاہ) کے حکم کے مطابق منبع سے لے کر شاہجہاں آباد تک نہر کے راستے میں اونچی نیچی زمین کو ہموار کیا اور اُس کے کناروں کو سفیدوں تک کہ تیس کوس کا قدیمی فاصلہ ہے لائے اور وہاں (سفیدوں) نئی نہر کھود کر (شاہجہاں آباد کی) عمارتوں تک پہنچا دیا۔

(ص ص ۲۱-۲۲)

شاہجہاں آباد کی عمارتیں

بنیاد رکھنے کی تاریخ سے لے کر پندرہ جمادی الاوّل سال مذکور ۱۰۴۹ ہجری (مطابق ۱۶۳۹ء) میں چار مہینے دو روز تک غیرت خاں نے بڑی محنت اور تاکید سے کام کروایا۔ مسالہ اکٹھا کیا گیا اور بعض جگہوں پر بنیادیں اٹھائی گئیں۔ جب ٹھٹے کی صوبے داری پر اس کا تقرر ہوا تو اللہ وردی خاں دلی کا صوبے دار مقرر ہوا۔ اس کے زمانے میں دریائے جمنا کی طرف قلعے کی دیوار بارہ ذراع (گز) اٹھا دی گئی اور اس کے بعد مکرمت خاں کی صوبے داری کا زمانہ آیا۔ اس نے اپنے زمانے میں بڑی کوششوں سے جلوس کے بیسویں سال میں اس مبارک کام (عمارتوں کی تعمیر) کو مکمل کر دیا۔ اس وقت شاہ جہاں بادشاہ کابل میں تھے، انھیں عمارتوں کی تکمیل کی اطلاع دی گئی، انھوں نے حکم دیا کہ نجومیوں سے کوئی مبارک ساعت نکلوا کر عرض کریں تاکہ بادشاہ اس گھڑی دلی کے قلعے میں داخل ہوں .... ماہر اختر شناسوں نے بہت غور و فکر کے بعد چوبیس ربیع الاوّل مطابق ۲۰ر فروری ۱۰۵۸ ہجری (مطابق ۱۶۴۸ء) تجویز کی۔ چوں کہ تجویز کردہ تاریخ میں ابھی دن تھے اس لیے بادشاہ کابل سے دلی آئے۔

(ص ۲۲)

شاہ جہاں آباد

(ایک دن شاہ جہاں نے سوچا کہ دو بڑے شہر آگرہ اور لاہور ہیں۔ ان میں روضۃ الکبریٰ کی عظمت اور قسطنطنیہ کی شوکت ہے لیکن ان دونوں شہروں میں کچھ نقص ہیں۔ جمنا کے کنارے آباد ہوتے

کی وجہ سے آگرہ شہر میں نشیب و فراز بہت ہیں۔ لاہور کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ یہ شہر کسی منصوبے کے تحت آباد نہیں کیا گیا تھا، اس لیے جس کو جہاں جگہ ملی مکان بنا لیا، پھر دونوں شہروں کے قلعے بہت چھوٹے ہیں۔ جب کوئی شاہی تقریب ہوتی ہے تو سب لوگ ان میں نہیں سما پاتے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر بادشاہ کو خیال آیا کہ .... ایک ایسا شہر آباد کیا جائے کہ جس کے قلعے میں آنے جانے اور دربار میں حاضر ہونے میں لوگوں کو پریشانی نہ ہو اور ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق مکان بنا کر زندگی کا لطف اٹھا سکے .... اس نے اپنے انجینئروں کو حکم دیا کہ ان دو شہروں (لاہور اور آگرہ) کے درمیان زمینِ دل نشیں اور بہشت نشاں کا ایک ٹکڑا دیکھیں، جس کی آب و ہوا معتدل ہو، سطح ہموار ہو اور جس کی وضع بہت دل نشیں ہو۔ معماروں اور انجینئروں نے دہلی میں جمنا کے کنارے نور گڑھ کے متصل جگہ منتخب کی۔۔۔
.... پچیس ذی الحجہ مطابق نہم اردی بہشت، بارھویں سال جلوس مطابق ایک ہزار اڑتالیس ہجری جمعہ کی رات کو پانچ گھڑی گزرنے کے بعد مبارک ساعت میں (بادشاہ) نے حکم دیا کہ ممتاز ترین معمار استاد احمد کی نگرانی اور غیرت خاں کے اہتمام میں .... بنیادیں کھودی جائیں۔ پانچ ساعت اور بارہ دقیقے کے بعد جمعہ کی رات کو نو محرم ایک ہزار اُنچاس ہجری (مطابق ۱۶۳۹ء) مطابق سوم اردی بہشت کو ...... ان عمارتوں کی بنیاد رکھی گئی اور جہاں کہیں مشہور اربابِ ہنر، بے مثل سنگ تراش، پرچین ساز، منبت کار، نجار، ماہر معمار ملک میں تھے وہ بادشاہ کے حکم سے وہاں آکر کام میں مشغول ہو گئے۔

(ص ۲۰-۲۱)

قلعہ (لال قلعہ)

یہ بات بغیر کسی مبالغے کے کہی جا سکتی ہے کہ جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے کسی نے اس شان و شکوہ کا قلعہ تعمیر نہیں کیا۔ اس قلعے کی بلندی کا یہ حال ہے کہ اس کا کنگرہ ساتویں آسمان سے ہمسری کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی خندق اتنی گہری ہے کہ تیرنے والے کا خیال بھی وہاں تک نہیں جا سکتا۔ ایسی عمارتیں آج تک کسی بادشاہ کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔

..... بادشاہ نے بڑے سلیقے سے عالی شان اور اونچی اونچی عمارتیں، محل اور عجیب و غریب نشیمن اور خوب صورت باغ بنائے، وہاں نہریں جاری کیں اور درخت لگائے ....
اس قلعے کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب اس کی بنیاد رکھی گئی تھی، اس وقت سے لے کر آٹھ سال تک بڑی جدّوجہد کے بعد یہ مکمّل ہوا۔ اب تک اس کی تعمیر پر پچاس لاکھ روپے اور اتنی ہی رقم قلعۂ مبارک کی دوسری عمارتوں پر خرچ ہوا ہے۔ اس قلعے کے چار دروازے، دو کھڑکیاں اور اکیس بُرج ہیں۔ ان بُرجوں میں سے سات گول اور چودہ ہشت پہلو ہیں۔ فصیل کا انداز بغدادی مثمن کا ہے۔ ہزار گز لمبی، چھے سو گز چوڑی اور پچیس گز زمین سے اونچی ہے۔ اس کی وسعت چھے لاکھ گز اور اس کا محیط چھے ہزار تین سو گز ہے۔ فصیل، آسمان سے باتیں کرتے ہوئے، بُرج، کنگرے اوپر سے نیچے تک سب لال پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ سنگتراشوں نے اس طرح سلوں کو ایک دوسرے سے پیوست کیا ہے کہ ناخن سے ٹٹولنے کے باوجود دراز محسوس نہیں ہوتی۔

(ص ۲۴)

لال قلعے کی اندر کی عمارتیں

بادشاہ کے محل کی تمام عمارتیں یعنی شمالی بُرج، باغِ ارم کے انداز پر بنا ہوا باغِ حیات بخش اور بادشاہ کی آرام گاہ مقدّس یعنی شاہ محل، طلائی بُرج، امتیاز محل اور اُس کے پاس کی دوسری عمارتیں، نواب قدسیہ کی خواب گاہ، زمان بیگم اور دوسری بیگمات کے مکانات ایک راستے پر ترتیب سے واقع ہیں۔ مشرق کی طرف سے (فصیل) بارہ گز اونچی ہے اور دریا اور صحرا کے قریب ہے اور مغرب کی طرف باغ، باغیچے، نہریں، مکمّل سنگِ مرمر کے بنے ہوئے صاف شفاف تالاب بنے ہوئے ہیں۔ ہر تالاب کا فرش رنگین، پرچین کار پتھروں سے بنا ہوا ہے اور ہر ایک (عمارت کی) چھت اور دیوار اس طرح سنہری، منقش اور رنگین بنایا ہے کہ اس کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں .... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زمین پر جنت اُتر آئی ہے بلکہ یہ عمارتیں روکشِ بہشت ہیں .... شیش محل کی چمک دمک کا یہ حال ہے کہ فرشتوں کی نظریں بھی پھسل جاتی ہیں۔

(ص ۲۵)

شاہ نہر

نہر کوثر کی طرح (قلعے کی) نہر کو بادشاہ کے حکم سے نہر بہشت کہتے ہیں۔ شاہ نہر کی طرح تمام باغوں کے درمیان سے گزرتی ہے اور آبِ حیات کی طرح فیض پہنچاتی ہے۔ ہر ... نشیمن کے باہر اور اندر حوضوں میں آبشار بن کر گرتی ہے اور فوارہ بن کر نکلتی ہے۔ ...... ہر نشیمن کے آگے ہرے بھرے باغ جن پر سبزے کا فرش بچھا ہوا ہے۔

(ص ۲۶)

غسل خانہ

ان عمارتوں سے متصل غسل خانے کی عمارت ہے جو بہت وسیع اور کشادہ ہے ...... اس کے قریب نفیس حمام ہے۔ .... غسل خانے کی عمارت کی چھت کو فرنگ اور روم کے انداز کی بیلوں سے سجایا ہے .... اس کی تعمیر پر نو لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے۔ دیوارں پر بہت خوب صورت نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔

(ص ۲۷)

(میں نے یہاں تک ترجمہ کیا تھا کہ 'عمل صالح' کا وہ اردو ترجمہ مل گیا جو ڈاکٹر ناظر حسن زیدی نے کیا ہے اور جو ۱۹۷۴ء میں لاہور سے شایع ہوا تھا۔ چوں کہ 'عمل صالح' کی متعلقہ عبارت بہت گنجلک اور شاعرانہ ہے، اس لیے میں نے جو ترجمہ کیا تھا اس کے بعد ناظر حسین زیدی صاحب کا ترجمہ شامل کر دیا ہے جو یہاں سے شروع ہوتا ہے ۔۔۔ خلیق انجم)

باغِ حیات بخش

باغِ حیات بخش جنت کے باغوں کا نمونہ ہے۔ اس کی کشادہ روشیں سرسبز و شاداب درخت،

لالہ و گل کی رونق اور ایوانوں کی دلفریبی کا یہ عالم ہے کہ باغِ بہشت نظر سے گر جاتا ہے۔ نہروں کا پانی ہر طرف پڑا بہتا ہے۔ جا بہ جا چشمے ہیں جن کے سامنے چشمۂ حیواں کو ہیچ سمجھیے۔ راقم نے پہلے بھی اس کا کچھ حال لکھا تھا، لیکن زبانِ قلم تھک گئی اور الفاظ کوتاہی کر کے رہ گئے۔ اب بھی یہی کیفیت ہے تاہم بطور اختصار دو چار جملے لکھنا مناسب ہے۔ نہایت خوش وضع بوستاں ہے، جس کا سبزہ لہلہا کر پھولوں کا منہ چومتا ہے۔ پتہ پتہ اتنا شاداب کہ مخمل کی نرمی اس کے آگے خجل۔ سبزۂ نورستہ کی طراوت نوجوانوں کے سبزۂ خط کو یاد دلاتی ہے، یا یوں سمجھیے کہ صفحۂ قرطاس پر کسی ماہر خوش نویس نے خطِ غبار میں عبارت تحریر کر دی ہے۔ باغ میں اس سرے سے اُس سرے تک پھولوں سے لدے ہوئے درخت سر جوڑے کھڑے ہیں جو کثرتِ گُل کے سبب گلدستہ معلوم ہوتے ہیں۔ ہر چمن میں سنبل کے پودے اس طرح زُلفیں بکھرے ہوئے ہیں کہ نازنینانِ نازک بدن کی الجھی ہوئی زلفیں نظر میں پھر جاتی ہیں۔ اونچے اونچے پھل دار درخت شانے سے شانہ ملا کر یوں کھڑے ہوئے ہیں کہ آسمان نظر نہیں آتا۔ سیر کرنے والے گھنٹوں یہاں پھرتے ہیں لیکن جی نہیں بھرتا۔ دل چاہتا ہے کہ قیامت تک یہیں رہ جائیے، کیوں نہ ہو، سیاحوں نے سیکڑوں ملکوں کی سیر کی، لیکن ایسا خوش وضع باغ، سبزۂ شاداب، گھنے اور تناور درخت، سبزہ و گل کے درمیان بہنے والی کوثر و تسنیم جیسی نہریں، غرض یہ بے نظیر مناظر کہیں نظر نہ آئے۔ حضرت صاحب قِران ثانی کی طبع خداداد اور حُسنِ نیت کی برکت سے یہ باغ اتنا دلفریب ہے کہ تصور نہیں ہو سکتا۔ سیاح گواہی دیتے ہیں کہ ایسا خوش منظر باغ روئے زمین پر کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ اشعار (آزاد ترجمہ)

چمن سے بھرا باغ، گُل سے یہ چمن
کہیں نرگس و گُل، کہیں یاسمن
چمن آتشِ گُل سے دُہکا ہوا
ہَوا کے سَبب باغ مہکا ہوا
پڑی آب جو ہر طرف کو بہے
کریں قُمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لبِ نہر پر جھومنا
اُسی اپنے عالم میں منھ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم، گلستان پر
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور

(اردو ترجمہ ص ۵۰۴)

حوض اور نہریں

اس باغ کا جو قدرتِ خدا کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک وصف یہ ہے کہ ہر جگہ چھوٹی چھوٹی نہریں بہتی ہیں۔ آبشاروں کی صدا آتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے باغ بہشت کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ جا بہ جا حوض اور تالاب ہیں جنھیں دیکھ کر کوثر و تسنیم پانی پانی ہو جائیں۔ بالخصوص ساٹھ گز مربع وسطی حوض جو چشمۂ آفتاب سے زیادہ پُرنور ہے، اُسے دیکھیے تو قدرتِ پروردگار نظر آتی ہے۔ چاروں طرف رنگ رنگ کے پھول کھلے ہیں۔ جن کا عکس پانی میں پڑ کر نگار خانۂ چین کو شرماتا ہے۔ صاف ستھرا پانی ذائقے میں اتنا شیریں کہ دجلہ و فرات آ آکر اُس سے زکوٰۃ کے طالب ہوتے ہیں۔ نتھرا ہوا پانی آبِ حیواں سے زیادہ پاکیزہ۔ حوض کے اندر چاندی کے ۴۹ فوارے ہیں، جن کا پانی اُچھل اُچھل کر سحابِ رحمت کی طرح موتی لٹاتا ہے۔ دیکھنے والے کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ حوض کے گرداگرد ۱۱۲ فوارے اور ہیں، جو حوض پر جھکے ہوئے ہیں۔ اُن کا پانی اُچھل کر خم دار دھار سے حوض میں گرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سیکڑوں ہلال ہیں جو چشمۂ آفتاب پر جھک رہے ہیں۔ باغ کے چاروں ضلعوں پر سُرخ پتھر کی بیس بیس گز چوڑی روشیں ہیں جن کے پہلو میں چھے گز چوڑی صاف شفاف نہر جاری ہے۔ اس میں بھی تیس فوارے ہیں جن کا پانی اُچھل اُچھل کر موتی برساتا ہے۔ نہر کی آب و تاب کی یہ کیفیت کہ کہکشاں اُس سے کسبِ نور کرتی ہے۔ ہر شخص اسے دیکھ کر محوِ حیرت رہ جاتا ہے۔ اس فردوس منظر باغ کے دائیں بائیں بازوؤں میں دل فریب عمارتیں اس خوش نمائی

کی ہیں کہ انھیں دیکھ کر بلقیس کا تخت اور سلیمان علیہ السلام کا سریر یاد آتا ہے۔ اتنی خوش وضع و دل کش ہیں کہ روے زمین پر جواب نہیں۔ ان کے برابر سے نہروں کا پانی یوں بہتا ہے جیسے جبرئیل امین کے لبوں سے چشمۂ زندگی جاری ہو۔ دونوں عمارتوں کے درمیان حوض ہیں، جن کے پانی کو دیکھ دیکھ کر چشمۂ حیواں دست افسوس ملتا ہے۔ حوضوں کا پانی چبوتروں کے اوپر سے بہہ کر آبشار کی صورت میں ڈیڑھ گز نیچے گرتا ہے۔ یہاں طاقوں میں دن کے وقت طلائی پھولوں سے بھرے ہوئے گلدان اور رات کو کافوری شمعیں روشن رہتی ہیں۔ پانی کی چادر میں سے ان گلدانوں کا سنہرا رنگ اور شمعوں کی روشنی پھوٹ پھوٹ کر یوں نکلتے ہیں کہ نظر کام نہیں کرتی۔ دیکھنے والے ٹھٹھک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چمک دمک کا یہ حال ہوتا ہے کہ دانا اور نادان سب بے خود ہو کر رہ جاتے ہیں۔

نظم (ترجمہ)

آبشار کا پانی اور شمعوں کی چمک دیکھنے کے بعد نگاہ یہ چاہتی ہے کہ آنکھ میں نہ جائے بلکہ وہیں جم جائے۔ اس کی آب و تاب دیکھ کر آفتاب کی آنکھ روشن ہوتی ہے۔ آئینے پر عکس پڑ جائے تو سورج کی مانند چمکنے لگے۔ پانی کی صفائی کے سبب تہ کی چیزیں صاف نظر آتی ہیں۔ شیشے بلکہ حباب کی طرح شفاف ہے۔

(اُردو ترجمہ ص ص ۵۰۴-۵۰۵)

مشرق کی طرف چھبیس گز چوڑا باغیچہ ہے جو فصیل کے طول تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کی دیواریں ڈیڑھ گز اونچی ہیں۔ اس میں عین لبِ دریا تین عمارتیں ہیں جو صاف و شفاف سنگِ مرمر کی بنی ہیں۔ ان کی صباحت صبح کی سفیدی کو شرماتی ہے۔ یہاں کی فضا اتنی پاکیزہ و لطیف ہے اور یہ عمارتیں ایسی خوش وضع ہیں کہ دیکھنے والے فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ سنگِ مرمر کی دیواریں اور چھتیں آئینے کی طرح چمک دار اور سیم بر معشوقوں کے سینے کی مانند دلفریب ہیں۔ تینوں عمارتوں کی دیواروں اور چھتوں پر ماہر چابک دست نقاشوں نے ایسے نزاکت بھرے بیل بوٹے بنائے ہیں اور اس کاریگری اور ہنرمندی سے کام کیا ہے کہ حسینوں کے خال و خط کی خوبصورتی

دیوانِ عام لال قلعہ

اُن کے آگے ہیچ ہے۔ نہ زبان کو یہ قدرت ہے نہ قلم کو یہ طاقت کہ ان رنگین منقش عمارات کی تعریف کر سکے، جو آرائش وزیبائش میں چرخ نیلی فام سے کہیں زیادہ خوشنما ہیں۔

نظم (ترجمہ)

ان مکانوں کی دل کشائی کے سامنے بہشت کی رونق ہیچ
معلوم ہوتی ہے۔ در و دیوار پر اتنے خوشنما گل بوٹے نقش ہیں
کہ یہاں آکر دیوار کی طرف منھ کر کے بیٹھنا مناسب ہے۔
ان کے تین طرف باغات ہیں، چوتھی جانب جمنا بڑے
لطف سے بہتی ہے۔ اس کی موجیں حسینوں کی زلفوں کی طرح
دل فریب ہیں۔

دریاے جمنا کی کیا تعریف کی جائے۔ پانی اتنا شفّاف ہے کہ اس کی لطافت دیکھ دیکھ کر جیحوں اور فرات اشکِ ندامت بہاتے ہیں۔ پاٹ اتنا چوڑا ہے کہ دریاے نیل اور سندھ اس کے سامنے پانی بھریں۔ درمیانی عمارت کے وسط میں حوض ہے۔ گہرائی تو کم ہے لیکن اس کی وضع جو تقریباً مدور ہے۔ کمال خوش نمائی رکھتی ہے۔ کئی بند ہیں جن کے سوراخوں سے پانی اُچھل کر بہتا ہے۔ فواروں کا تماشا ایسا دل فریب ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ حوض کے چاروں حاشیوں پر سے پانی بہ بہ کر آبشار کی شکل میں ایک اور حوض میں گرتا ہے، جو سنگِ مرمر کی ایک چٹان میں سے سالم تراشا گیا ہے۔ اس کے حاشیوں پر خوش نما پرچین کاری کی گئی ہے۔ آبِ رواں اس حوض کو لبالب کرتا ہوا زیریں نہر میں آملتا ہے۔ یہ صاف شفّاف حوض سنگِ مرمر کی جس چٹان میں سے تراشا ہے وہ مکرانہ کی کان میں سے نکلی تھی۔ حضرت کے حسبُ الحکم اس میں سے چار گز لمبا، چار گز چوڑا، ڈیڑھ گز گہرا حوض تیار کیا گیا جو عجیب وغریب شے ہے۔ مکرانہ سے دہلی تک سو کوس فاصلہ ہے۔ سیکڑوں منصوبوں اور حکمتوں سے یہ راستہ طے کر کے اُسے یہاں لاکر نصب کیا۔ قصرِ شاہی میں بہت سے حوض ہیں لیکن ان میں یہ بات کہاں۔ فرہادفن سنگ تراشوں نے اس خوبی سے تراشا ہے کہ سالہا سال کی محنت کے بعد بھی اس کی نظیر تیار ہونا ممکن نہیں۔ دولت خانے کے نشیمنوں اور دوسری عمارتوں میں بھی شاہ نہر (نہرِ بہشت) کے پانی سے حوض اور آبشار

لبریز رہتے ہیں۔ امتیاز محل کا بڑا حوض اور باغِ حیات بخش کا حوض بھی خوش نمائی و خوش وضعی میں شہرۂ آفاق ہیں اور ان کی مکرّر تعریف بے محل ہوگی، لیکن دریائے جمنا کے کنارے والی یہ عمارتیں، حوض اور آبشار اتنے دل کش ہیں کہ انھیں رونقِ دہر کہنا زیبا ہے۔ ایسی پاکیزہ، صاف ستھری، دلفریب عمارات دنیا میں تو کیا بہشت میں بھی نہ ہوں گی۔ انھیں تمام نشیمنوں پر فوقیت حاصل ہے۔

(اُردو ترجمہ ص ص ۵۰۵۔ ۵۰۷)

امتیاز محل

دولت خانے کی سب سے بڑی عمارت امتیاز محل ہے۔ یہ مکان پچاس گز لمبا، چھبیس گز چوڑا ہے۔ اس کی زیب و زینت، نقش و نگار کی دل فریبی، کرسی کی بلندی، غرض ہر لحاظ سے اتنا خوش نما ہے کہ بہشت کے غرفے اور قصور اُس کی ہمسری سے قاصر ہیں۔ گنبد اور کلس جن پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے، خوش نمائی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس میں ایک طرف درشن کا جھروکا ہے جس میں بیٹھ کر حضرت اپنا درشن دیتے اور رعایا کی آنکھوں کو روشن کرتے ہیں۔ اس کے نیچے ذرا فاصلے سے جمنا بہتی ہے۔ دوسری طرف جھروکۂ خاص و عام واقع ہے۔ اس کی صفات تحریر کرنا امکان سے باہر سمجھ کر بارگاہِ خاص و عام، چھتے ہوئے بازار اور شہر کی آبادی کا حال لکھتا ہوں۔

(اردو ترجمہ ص ۵۰۷)

دیوانِ عام

دیوانِ عام، امتیاز محل سے مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہ مکان جو بارگاہِ سلیمانؑ اور ایوانِ نوشیرواں پر فوقیت رکھتا ہے اور امتیاز محل کے باغیچے سے متّصل ہے؛ سراسر سنگِ سرخ سے بنا ہے۔ اس پر سفید سنگِ مہتابی کی سلیں چڑھائی گئی ہیں جنھیں ماہر معماروں نے رگڑ کر ایسا چمکا دیا ہے کہ منھ نظر آتا ہے۔

(اُردو ترجمہ، ص ۵۰۷)

جھروکۂ خاص و عام

دیوانِ عام کی چھت سے ملا ہوا جھروکۂ خاص و عام ہے، جہاں اہلِ عالم حاضر ہو کر جبینِ نیاز جھکاتے اور اپنی مرادیں پاتے ہیں۔ یہ جھروکہ چار گز لمبا تین گز چوڑا ہے۔ بنگلے کی سی وضع ہے، جو چار ستونوں پر قائم ہے۔ بنگلے کے پیچھے سات گز لمبی ڈھائی گز چوڑی نشست گاہ ہے، جس میں رنگین پتھروں کی پرچین کاری ہے۔ چابک دست نقاشوں نے اس پر ایسے رنگین خوش وضع بیل بوٹے بنائے ہیں کہ آفتاب و مہتاب شرمندہ ہو کر منہ چھپا لیتے ہیں اور دیکھنے والے ان نقش و نگار کو دیکھ کر سیرِ گلزار سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اس کے تین ضلعوں میں خالص سونے کا جالی دار مجر ہے جو شعاعِ آفتاب کی طرح جگمگاتا ہے۔ صبح سویرے حضرت یہاں آکر رونق افروز ہوتے ہیں اور اس کا درجہ بیت الشرفِ آفتاب سے بڑھ جاتا ہے۔

(اُردو ترجمہ ص ص ۵۰۷ - ۵۰۸)

بارگاہِ عالم شاہی

اس کے متصل بارگاہِ شاہی ہے، جو چالیس عالی شان ستونوں پر قائم ہے۔ لمبائی میں ۲۷ گز اور چوڑائی ۲۴ گز دیواروں اور چھت پر دل آویز نقش و نگار ہیں جن کے سامنے مانی و بہزاد کی نقاشی نقش بر آب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کے تین طرف چاندی کا جالی دار قدِ آدم کٹہرا ہے۔ ایوان کے سامنے ۶۰ گز چوڑا ۱۰۴ گز لمبا صحن ہے۔ صحن کے تین طرف سنگِ سُرخ کا کٹہرا نہایت آراستہ ہے۔ اس صحن کے باہر کشادہ اور روشن میدان ہے۔ طول میں ۲۰۴ گز، عرض میں ۱۶۰ گز۔ میدان کے گرداگرد خوش نما، خوش وضع دالان ہیں، تاکہ بارگاہ والا میں حاضر ہونے والے، بارش اور دھوپ سے محفوظ رہیں۔ یہاں تین دروازے رکھے گئے ہیں۔ مغربی دروازہ اس شان و شکوہ کا ہے کہ اس کے سامنے آسمان پست نظر آئے۔

(اُردو ترجمہ، ص ۵۰۸)

قلعے کا چوک اور بازار

مغربی دروازے کے باہر جلو خانے کا دو سو گز لمبا ایک سو چالیس گز چوڑا چوک ہے۔ یہاں خوشنما دالان اور حجرے بنے ہیں۔ شمال، جنوب اور مغرب کی طرف اس میں تین دروازے ہیں۔ قلعے کے شمالی پھاٹک سے جنوبی دروازے تک جو راستہ آیا ہے۔ اس پر دونوں طرف چالیس چالیس گز تک نہایت مضبوط اور دل آویز حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں، انھیں دیکھ کر عقل چکراتی ہے۔ ان میں شاہی اصطبل اور دوسرے بادشاہی کارخانے ہیں۔ درمیان میں نہرِ بہشت جاری ہے۔ مغرب کی جانب سے قلعے کے صدر دروازے تک بہت خوش نما چھتا ہوا دو منزلہ بازار ہے۔ یہاں بڑی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ اس کے باوجود نہایت روشن اور پاکیزہ ہے۔ صفائی اتنی کہ آنکھ میں میل ہے اس میں نہیں۔ پہلو بہ پہلو حجرے ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ دوکانیں جو چشم و ابرو کی طرح باہم پیوستہ ہیں قیمتی سامانوں سے مالامال ہیں۔ تیز نظر دلال اور گاہک پلکوں کی طرح شانہ بشانہ اگر سودا کرتے ہیں۔ وہ گہما گہمی رہتی ہے کہ دنیا میں نظیر نہیں مل سکتی۔ غرض اس شان کا بازار ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ اس کی زیب و زینت، رونق اور دل کشی کا بیان تو کیا، تصور بھی مشکل ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کے چھتے والے بازار کا وجود تک نہ تھا۔ حضرت صاحب قران ثانی کی توجہ اور ایجاد و اختراع کی بدولت یہ دل فریب بازار قائم ہوا۔

اشعار (ترجمہ)

مٹی میں چشمۂ آفتاب کا پانی ملا کر اس عمارت کے لیے گارا تیار کیا گیا۔ دیکھنے والے اس کا تماشا کر کے یہ آرزو کرتے ہیں کہ کاش ہم بھی بھینگی آنکھ والوں کی طرح ایک چیز کی دو چیزیں دیکھ سکتے۔ بہت دل آویز مقام ہے۔ اس کے حجروں میں عیش و نشاط اس طرح مستقل رہتا ہے جیسے چادر یا قالین میں کسی چیز کی صورت دی جائے حیرت ہوتی ہے کہ اس

کے ہر دالان اور حجرے میں بے اندازہ عیش و سرور
کس طرح سما گیا۔ اتنا دل کش ہے کہ ہوا بھی یہاں
آکر آگے نہیں جاتی۔

(اُردو ترجمہ، ص ص ۵۰۸ - ۵۰۹)

قلعے کے دروازے پر ہاتھیوں کے مُجسّمے

بازار سے متصل جو قلعے کا دروازہ ہے، نیز اکبر آبادی دروازے پر پورے قد کے عظیم الجثہ ہاتھیوں کے دو دو مجسّمے تراشے گئے ہیں۔ تناسبِ اعضا اور خوش اندامی کا یہ عالم ہے کہ سنگ تراش اور صورت گر اُس کا تصوّر تک نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ملک کے فرہادِ فن سنگ تراش اور مجسمہ ساز اپنے تیشوں سے انسانوں اور حیوانوں کی ایسی مورتیں تراشتے ہیں کہ دوسرے ملکوں کے باکمال اُنھیں دیکھ کر محوِ حیرت رہ جائیں بلکہ آتشِ رشک میں جلنے لگیں۔ ان چابک دست کاریگروں نے قلعے کی تیاری، عمارتوں کی تعمیر اور ہاتھیوں کی صورت تراشنے میں ایسی صنعتیں دکھائی ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور سوچتی ہے کہ کیا انسان ایسا کام کر سکتا ہے۔

(اردو ترجمہ، ص ۵۰۹)

جمنا کے کنارے حویلیاں

قلعے کے دائیں بائیں دریائے جمنا کے کنارے شاہزادگانِ والا جاہ اور امرائے نام دار نے نہایت عالی شان، خوش نما حویلیاں بنوائی ہیں۔ ہر حویلی اور محل پر ایک لاکھ سے بیس لاکھ روپے تک خرچ ہوئے ہیں۔ معمولی سے معمولی مکان پر بھی ہزاروں روپے اُٹھے ہیں۔ شہر کی رعیت نے، خواہ غریب، خواہ امیر، اپنے اپنے حوصلے اور مقدور کے مطابق صاف ستھرے مکان بنوائے ہیں۔ ہر حویلی آراستہ پیراستہ، سامنے وسیع صحن جس میں سیکڑوں پلنگ بچھ سکیں۔ ہندوؤں کے مکان چھے چھے بلکہ سات سات منزل کے ہیں۔ سب معمور اور وسیع۔ اس اعتبار سے اگر دہلی کو چشمِ عالم کی پتلی کہیے تو بے محل نہیں۔ (اردو ترجمہ، ص ۵۱۰)

لال قلعے کے گرد باغات

لال قلعے کے گرد اگرد کتنے ہی باغ اور بستان سرائیں ہیں جنھیں دیکھ کر بغداد کی وہ عمارتیں جو دجلہ کے کنارے کھڑی ہیں، شرماتی ہیں۔ دریائے جمنا کے سامنے بصرہ کی نہر جو عجائباتِ روزگار میں ہے، پانی پانی ہوئی جاتی ہے۔ نہر بصرہ ہی نہیں بلکہ جنّت کی نہریں بھی جو دُودھ اور شہد سے بھری ہیں، بے آب و تاب ہو جاتی ہیں۔ باغات کی شادابی اور جمنا کے پانی کا مٹھاس ایسا ہے کہ باغِ بہشت اور کوثر و تسنیم خجل ہیں۔ رضوان کے پاسِ خاطر اور حورانِ خلد کی دل دہی کے خیال سے یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ باغات اور جمنا باغِ بہشت کا جواب ہیں ورنہ درحقیقت لاجواب ہیں۔ (اُردو ترجمہ ص ۵۱۰)

دلّی کے بازار

شہر کی آبادی کا یہ حال ہے کہ سارے جہاں کی آبادی اُس کے آگے ہیچ ہے۔ تمام گلی، کوچے، باغِ خلد کی روشوں کی طرح خوش نما، دلِ کریم کی مانند وسیع ہیں۔ بڑے بازار مثلاً اکبر آبادی اور لاہوری دروازے والے بازار چالیس چالیس گز چوڑے ہیں۔ درمیان سے نہرِ بہشت گزرتی ہے جس کے دونوں طرف ہر قسم کے مال سے بھری ہوئی دکانیں ہیں اُن میں خوش معاملہ دوکان دار نہایت ایمان داری کے ساتھ لین دین میں مصروف رہتے ہیں۔ ہر تاجر زبان کا سچا، دل کا کھرا، گاہکوں کے لیے صلائے عام ہے کہ آئیں اور اپنی مرضی کا سودا خریدیں۔ ملکوں ملکوں کے نادر تحفے، نایاب متاعیں، جواہرات اور لعل و گہر یہاں دستیاب ہیں۔ ہر دوکان میں اتنا مال موجود ہے کہ خریدار اگر گنجِ شائگاں اور دولتِ قارون بھی لے آئیں تو وہ بھی وفا نہ کر سکے۔

نظم (ترجمہ)

بازاروں کی سڑکیں خوش نما ہیں جن پر عید اور نوروز
کی سی چہل پہل رہتی ہے۔ دوکانوں میں خوش رو،
گُل اندام دکان داروں اور گاہکوں کی وہ کثرت ہے
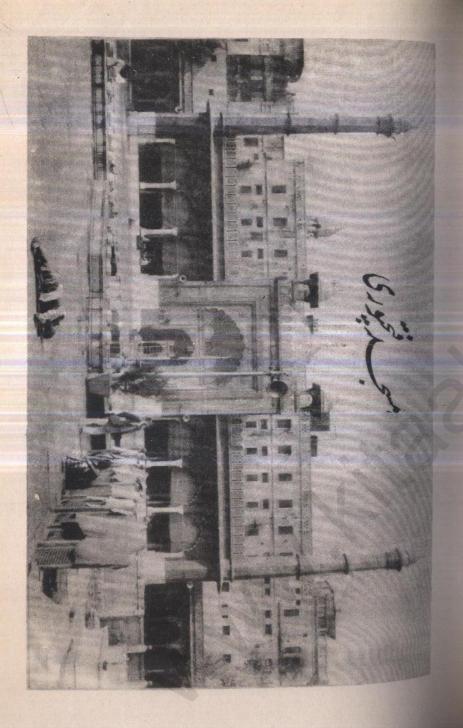
کہ گلشن معلوم ہوتی ہیں جس دوکان پر چلے جائیے
مال واسباب پر نگاہ جم جاتی ہے۔ ایک ایک
دوکان سے سو قافلوں کے واسطے مال خرید جاسکتا
ہے۔ سب میں نایاب ونفیس سامان کے ڈھیر لگے
ہیں۔ جی چاہے تو بوڑھوں کے لیے جوانی اور مریضوں
کے لیے تندرستی خرید لیجیے۔

لاہوری دروازے والا بازار چاندنی چوک، چوڑائی میں چالیس گز اور طول میں ۱۵۲۰ گز ہے۔ اس پر ۱۵۶۰ حجرے اور دالان ہیں۔ آغاز سے کوتوالی چبوترے والے بڑے چوک تک جو ۱۰۰ گز مربع ہے۔ بازار کا طول ۴۸۰ گز ہے۔ بڑے چوک سے اگلے چوک تک جو سو گز مربع ہے اور بغدادی مثمن وضع کا ہے، ۴۸۰ گز فاصلہ ہے۔ اس چوک کے شمالی جانب نئی طرز کی دومنزلہ سرائے ہے، سو گز لمبی، چھیاسی گز چوڑی۔ اس کے چار برج ہیں اور نوے حجرے۔ ہر حجرے کے سامنے دالان، اس سے ملا ہوا پانچ گز چوڑا چبوترہ۔ یہ سرائے نواب قدسیہ القاب بیگم صاحب کے حسب فرمائش تعمیر ہوئی ہے۔ ایک دروازہ بازار کی جانب ہے، دوسرا اس شگفتہ وشاداب باغ کی طرف ہے، جسے صاحب آباد کہتے ہیں۔ یہ خوش منظر باغ ۹۸۲ گز لمبا ۲۴۲ گز چوڑا ہے۔ اس کی دلفریب عمارتیں، خوش نما آبشار، لبریز حوض، اچھلتے ہوئے فوارے نہایت فرحت افزا ہیں؛ فضا بہت دل آویز۔ بازار کے جنوبی پہلو میں ساٹھ گز لمبا بیس گز چوڑا حمام ہے۔ اس کے نشیمن اور دالان نہایت دل کشا ہیں۔ یہ بھی بیگم صاحب کے حسب الحکم تیار ہوا اور ثواب کی خاطر وقف کر دیا گیا ہے۔

(اردو ترجمہ، ص ص ۵۱۱-۵۱۲)

مسجد فتح پوری

اس چوک اور سرائے سے فتح پوری بی بی والی مسجد اور چوک تک ۵۶۰ گز لمبا بازار ہے
مسجد فتح پوری کا طول ۵۴ گز اور عرض ۲۰ گز ہے۔ وسط میں ایک ہی گنبد ہے۔ اس پر بارہ کی

جانب رنگین روغنی اینٹوں سے کاشی کاری کی گئی ہے۔ اندر کی طرف لال پتھر لگا ہے۔ گنبد کے دونوں طرف دوہرے دالان ہیں۔ ہر ایک کے تین تین در ہیں۔ مسجد کی کرسی اور اجارہ سرتاسر لال پتھر کا ہے جس پر منبت کاری کی گئی ہے۔ فرش میں بھی سنگِ سرخ کی سلیں لگی ہوئی ہیں۔ دونوں کونوں پر ایک ایک مینار ہے، ۳۵ گز اونچا کہ دعائے مستجاب کی طرح آسمان کی جانب رُخ کیے ہوئے ہے۔ چبوترے دار صحن کی لمبائی ۴۵ گز اور چوڑائی ۳۵ گز ہے۔ اس کے گرد سنگِ سرخ کا مجر ہے۔ صحن کے اختتام پر ۱۶ گز لمبا ۱۴ گز چوڑا خوش وضع حوض ہے، جو نہرِ بہشت کے پانی سے لبریز رہتا ہے۔ مسجد کے چاروں طرف چار برجوں والی سرائے ہے جس کے ۶۹ حجرے (کمرے) ہیں۔ دوسری سراؤں کی طرح حجروں کے سامنے سراسر تین گز چوڑا چبوترہ ہے۔ سرائے کا صحن سو گز مربع ہے۔

(اردو ترجمہ، ص ص ۵۱۲-۵۱۳)

اکبر آباد کی طرف والا بازار

اکبر آباد (آگرہ) کی طرف والا بازار بھی جو طول میں ایک ہزار پچاس گز اور چوڑائی میں تیس گز ہے۔ نہایت پاکیزہ ہے۔ دونوں جانب ۸۸۸ حجرے اور دالان ہیں۔

(اردو ترجمہ، ص ۵۱۴)

مسجد اکبر آبادی

بازار کے شروع میں قلعے کے جنوبی دروازے کے سامنے، اکبر آبادی بی بی کی عالیشان مسجد ہے۔ طول میں ۶۳ گز اور عرض میں ساڑھے سترہ گز ہے۔ چھت کے سات حصے ہیں۔ چار حصے ہموار ہیں۔ تین پر گنبد تیار ہو چکے ہیں۔ بڑی محراب اور دونوں بازوؤں پر جو سنگِ مرمر کے ہیں، سنگِ موسیٰ کی پچی کاری کر کے سورۂ والفجر لکھی ہے۔ مشرق کی طرف دو عالی شان مینار ہیں۔ سنگِ سرخ کا فرش ہے، جس میں سنگِ موسیٰ کی پچی کاری کر کے مصلّے بنائے ہیں۔ اندر باہر سنگِ سرخ پر اُبھرواں نقوش بنائے گئے ہیں۔ صحن کے چبوترے کا طول و عرض ۶۳ × ۵۷ گز ہے۔ ساڑھے

تین گز اونچی کرسی ہے جس کے گرد سنگِ سُرخ کا جالی دار مجحر ہے۔ اس سے مشرق کو بارہ گز مربع حوض ہے جو نہرِ بہشت سے لبریز رہتا ہے۔ زاید پانی نالیوں سے نکل جاتا ہے۔ مسجد کے ارد گرد ۱۵۴ گز لمبی ۱۰۴ گز چوڑی سرائے ہے۔ حجروں (کمروں) کے سامنے دالان ہیں۔ اُن کے سامنے اِدھر سے اُدھر تک چار گز چوڑا چبوترہ ہے۔ مسجد کا صدر دروازہ سنگِ سرخ کا ہے جس پر سنگِ مرمر کی سلیں چڑھی ہوئی ہیں۔ کتبے کے حروف سنگِ موسیٰ کی پچی کاری کے ہیں۔ مسجد کے مشرق میں ۱۶۰ گز لمبا ۶۰ گز چوڑا چوک ہے۔ اس کے سامنے سنگِ سُرخ کا نہایت پُر رونق حمام ہے، جس میں نہرِ بہشت سے پانی آتا ہے۔ مسجد کی تمام عمارتیں آخر رمضان ۱۰۶۰ ہجری (آخر ستمبر ۱۶۵۰ء) میں ڈیڑھ لاکھ روپے کی لاگت سے تیار ہوئیں۔

(اُردو ترجمہ، ص ص ۵۱۴ - ۵۱۵)

جامع مسجد، شاہجہاں آباد

فائدہ رساں عمارتیں بنانا بہت ہی اچھا صدقۂ جاریہ اور فلاحِ دارین کا سامان ہے۔ بالخصوص قرآن وحدیث کے بہ موجب عبادت گاہوں اور مسجدوں کی تعمیر سے ایمان کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اور بہشت میں گھر ملتا ہے۔ اس کا ثبوت کلام اللہ کی آیت ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ۔ جو شخص خدائے پاک اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسجد بناتا ہے اور آباد کرتا ہے۔ اس کی تعمیل میں بادشاہ سلامت نے ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جو مسجدیں تعمیر کروادی ہیں۔ حکمِ والا یہ ہے کہ جہاں مسجد نہ ہو وہاں تیار کی جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں کارگزار، فرماں بردار خادم بہت جلد مسجدیں بنا کر کھڑی کر دیتے ہیں۔ نئے تعمیر شدہ شہر شاہجہاں آباد میں یوں تو بہت سی خانقاہیں، زاویے اور مسجدیں بڑی شان وشوکت سے جلوہ گر تھیں، لیکن کوئی جامع مسجد جو اس شہر کی شان کے لائق ہوتی، موجود نہ تھی۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت نے فیصلہ کیا کہ اس شہر میں جو وسعت کے لحاظ سے آسمان کا ہمسر ہے اور مضبوطی اور پائداری میں چرخِ چنبری سے بڑھ گیا ہے، ایک عالی شان جامع مسجد تیار کی جائے۔ لہٰذا ۱۰ شوال ۱۰۶۰ ہجری (۶ اکتوبر ۱۶۵۰ء) کو آپ کے حسب الحکم قلعے سے ایک ہزار گز مغرب والی پہاڑی پر ہنر مند انجنیئروں اور معماروں نے مبارک گھڑی میں علامی

سعد اللہ خاں اور فاضل خاں خانساماں کی موجودگی میں اس بابرکت عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ ہر روز صبح سے شام تک پانچ ہزار معمار، سنگتراش، پچی کار، منبت کار، نقاش، حکاک، بیل دار وغیرہ جو حضرت کے حکمِ عالی کے مطابق دلی اور دوسرے شہروں سے بلوائے گئے تھے، کام کرتے تھے۔ سعد اللہ خاں اور خلیل اللہ خاں جیسے امرائے ذیجاہ کام کی نگرانی میں مصروف رہے، تب چھے سال کی مدت میں دس لاکھ روپے کی لاگت سے یہ پاکیزہ مسجد شہر کی زیب وزینت کا سبب بنی۔ نوّے گز لمبی اور ۳۲ گز چوڑی ہے۔ تین عالی شان گنبد ہیں۔ صحن کا عرض ۱۳۶ گز ہے جو سراسر سنگِ سرخ کا بنا ہے۔ میناروں، دیواروں اور رو کار میں سنگِ مرمر کی نہایت خوشنما پٹیاں دی گئی ہیں۔ جا بہ جا سنگِ مرمر میں سنگِ موسیٰ کی پچی کاری ہے۔

سبحان اللہ کیا خوب صورت عبادت گاہ ہے جس سے دنیا کو آبرو اور بہشت کو زینت حاصل ہوتی ہے۔ سچ پوچھیے تو روزِ ازل سے آج تک ایسی پاکیزہ، خوش فضا اور خوش نما مسجد چشمِ فلک نے نہیں دیکھی۔ اہلِ نظر صبح سے شام تک آ آکر اس کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو روشن کرتے ہیں۔ بادشاہ ہفت کشور کی ہمت کے شایاں عجب عمارت تیار ہوئی ہے، جس کی تجلّی سے زمین آسمان سے زیادہ نورانی ہو گئی ہے۔ نکوکار اور عابد وزاہد یہاں آکر نماز پڑھتے ہیں۔ اندر باہر جا بہ جا لال پتھر میں ایسا خالص اور بُرّاق سنگِ مرمر لگایا ہے کہ آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ محرابوں کا حسن دیکھ کر طبیعت بے خود ہو جاتی ہے۔ سنگ مرمر میں سنگِ موسیٰ کی پچی کاری سے خوش نما لکیریں اور آیتیں وغیرہ اس طرح نمودار کی ہیں جیسے حسینوں کے مُصحفِ رُخسار پر زلفِ سیاہ کی لٹیں۔ جی چاہتا ہے ہر سطر کے حُسن پر جان دے دیجے۔ دالان کا بڑا دروازہ جو اونچائی کے سبب فلک بوس ہے، اتنا خوش نما ہے کہ ساری عمر تعریف کیجیے تو حق ادا نہ ہو۔ اس کی ساتوں محرابیں معشوقوں کے طاقِ ابرو کی طرح دل کش ہیں۔ اُن پر اُبھرواں نقوش کی دل فریبی کا یہ عالم ہے کہ تحریر نہیں ہو سکتا۔ کعبہ اس کے رشک سے سیاہ پوش ہو گیا ہے۔ مجلّا پتھروں کی چمک دمک کے آگے صبحِ صادق کا چراغ نہیں جل سکتا۔ مقصورہ، جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، ایسا پاکیزہ اور ستھرا ہے جیسے خدا رسیدہ عارفوں کا دل۔ بیت المعمور بھی اُس کے سامنے پست ہے۔

جامع مسجد کے میناروں کی بلندی کا کیا حال لکھوں۔ عقل حیران وسرگرداں ہے۔ اگر خیمۂ

آسمان کے ستون و عمود کہیے تو زیبا ہے۔ غرض اس معبد کی خوبیاں قلم بند کرنا خامہ دوزباں کے بس کی بات نہیں۔ اس کی وسیع کشادہ فضا عالمِ امکاں کی وسعت کو اور اس کی صفائی و پاکیزگی کوہِ طور کی تجلّی کو شرماتی ہے۔ عجب عالی شان مقدّس عمارت ہے، جو بلندی میں گویا آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ معمارِ قدرت نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ بھو جلا پہاڑی پر سنگِ سُرخ کی سِلوں سے یہ مسجد اس خوبی و لطافت کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے کہ بڑے بڑے ہوشمند اسے دیکھ کر محوِ حیرت رہ جاتے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ پہاڑی نے اس کوہ شکوہ عمارت کا بوجھ کیسے اُٹھایا اور اس کے مینار کس طرح خیمۂ آسمان کے پار نکل گئے۔ صحن کے وسط میں اسنگِ مرمر کا) مُصفّا حوض صاف شفاف پانی سے لبریز رہتا ہے۔ شفّاف و پاکیزگی کا یہ عالم ہے کہ آبِ حیات اُس سے حیات بخشی کا سبق سیکھتا ہے۔ اسے دیکھنے سے آنکھوں میں نور آتا ہے، بلکہ چشمۂ خورشید بھی اُسی سے کسبِ نور کرتا ہے۔ چاروں طرف ایسے صاف ستھرے پاکیزہ حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں کہ ان کی سفیدی سے صبحِ صادق کا نور شرمندہ ہو جائے۔ چمک دمک ایسی ہے کہ جو آدمی یہاں گوشہ نشیں ہو اُسے یہ اندازہ کرنے میں دشواری ہوتی ہے کہ نمازِ مغرب کا وقت ہوا یا نہیں۔ دالانوں کی پیشانی پر کلام اللہ کی آیتیں جو سنگِ موسیٰ کو پچّی کر کے نقش کی ہیں، اتنی مستحکم اور پایدار ہیں کہ انھیں پتھر کی لکیر کہنا چاہیے اور خوبیوں سے قطع نظر، صرف حرفوں کی خوش نمائی، اُن کے متناسب دائروں، کشش اور مد کا حسن اِتنا دل کش ہے کہ "الخط نصف العلم" کا مقولہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ میر علی تبریزی کی خطّاطی کا بڑا شہرہ ہے۔ لیکن ان تحریروں کو دیکھ لے تو اس کا دل بھی زیر و زبر ہو جائے۔ باہر کی جانب چاروں طرف خوش وضع چوک اور حجرے ہیں۔ جنوب کے کونے میں سرکاری شفاخانہ اور شمالی کنج میں مدرسہ ہے۔ دونوں عمارتیں نہایت پاکیزہ بنی ہیں۔ المختصر کل مسجد اتنی خوش ترکیب ہے کہ ساری فضا اُس کے سبب روے حسیناں کی حسیناں کی طرح دل کش معلوم ہوتی ہے۔

قطعہ (ترجمہ) نثر

میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ کعبہ ہے لیکن اتنی بات ضرور
ہے کہ بڑے بڑے اولیا یہاں سر بسجود رہتے ہیں۔ اس

پاکیزہ اور پُر نور عمارت کی تجلّی دیکھ کر صبح کی سفیدی دَم بخود رہتی ہے۔ اِس نورانی عبادت گاہ کو محفلِ قدس کی شمع کہنا چاہیے۔ اس کی امامت کے لیے جبریلؑ موزوں ہیں۔ سنگِ مرمر سے اتنی عمدہ عمارت بنی ہے کہ اس کی وجہ سے کان کو شرف حاصل ہے۔ یہاں آکر نماز پڑھنے والے صرف یہ دعا مانگتے ہیں کہ صاحبقرانِ ثانی کا اقبال زیادہ ہو۔ انھوں نے اس کی تعمیر میں اس دریا دلی کے ساتھ خرچ کیا ہے کہ کان سے جو سیم و زر اور لعل و گہر نکلتے ہیں سب صَرف ہو گئے۔ جس طرح کعبہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ خدا کرے شاہجہاں کی درگاہ بھی اہلِ علم کا قبلہ بنی رہے۔ یہ مسجد کعبے کی مانند ہے، لہٰذا اس کی تاریخ بھی :

"قبلۂ حاجات آمد مسجدِ شاہِ جہاں"

(اردو ترجمہ، ص ص ۵۱۶ - ۵۲۰)

اخبار الاخیار

مصنفہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

سید نور الدین مبارک غزنویؒ کا مقبرہ

سید مبارک کا مقبرہ حوض شمسی کے مشرق میں ہے۔ چھے سو بتیس ہجری (مطابق ۱۲۳۴ء) میں ان کی وفات ہوئی تھی۔

(ص ۳۳)

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا مزار

اُن کی قبر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پائیں میں ہے۔ آپ کے مزار کا چبوترہ تعظیماً خواجہ قطب الدینؒ کے مزار سے نیچے رکھا گیا تھا۔ اُن کی اولاد کو یہ بات پسند نہیں آئی اور اُس نے (قاضی صاحب کے) چبوترے کو زیادہ اونچا بنوا دیا۔ اُن کی وفات ۶۲۵ ہجری (مطابق

۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ء) میں ہوئی۔

(ص ۴۰)

شیخ برہان الدین محمودؒ کا مزار

شیخ صاحب کا مزار حوض شمسی کے مشرق کی جانب ہے کہ جسے "تختۂ نور" بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے لوگ قبر کی مٹی کو متبرک سمجھتے ہیں اور بچوں کو چٹاتے ہیں، تاکہ علم حاصل کرنے کا سبب بنے، اس وجہ سے پنچے کی طرف سے اُن کی قبر ٹوٹ جاتی ہے۔ کئی بار بالکل خستہ ہو گئی اور اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا۔

(ص ۵۰)

شیخ ترک بیابانیؒ کا مزار

کہتے ہیں کہ وہ (شیخ صاحب) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مُریدوں میں تھے۔ واللہ اعلم۔ ان کے حالات نہیں معلوم ہو سکے، جو لکھے جاتے۔ ان کی قبر قلعۂ دلی کے نزدیک فیروز آباد کی جانب ہے۔

(ص ۵۱)

خواجہ محمود موئینہ دوزؒ کا مزار

ان کا مقبرہ خواجہ صاحب (خواجہ قطب الدین کاکیؒ) کے مقبرے کے قریب ہے اور اس دروازے کے باہر ہے، جو حوضِ شمسی کی طرف ہے۔ حاجت مند لوگ اُن کے مقبرے سے ایک پتھر اٹھاتے ہیں اور ایک کونے میں رکھ دیتے ہیں۔ جب ان کی حاجت پوری ہو جاتی ہے تو اس پتھر کے وزن کے برابر شکر بانٹتے ہیں۔

(ص ۵۲)

خواجہ بست کا مزار

خواجہ قطب الدین کے مزار کے شمال میں خواجہ صاحب کی قبر سے اونچی ایک قبر ہے۔ جسے لوگ خواجہ بست کی قبر کہتے ہیں؛ اور لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کا مقبرہ بننے سے پہلے دلی فتح ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد یہ قبر بنی ہے۔

(ص ۵۳)

غیاث پور میں حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ

حضرت نظام الدین (غیبی اشارے پر) غیاث پور میں جہاں آج کل ان کی خانقاہ ہے، سکونت اختیار کی ہے۔

(ص ۵۷-۵۸)

شیخ نجیب الدین متوکل کا مزار

ان کا مزار سلطان محمد عادل کی بنائی ہوئی عمارت بجی منڈل کے سامنے خواجہ قطب الدین کے مقبرے کے راستے پر ہے؛ ان کا اور حضرت شیخ نظام الدین کا گھر اسی جگہ تھا۔

(ص ۶۲-۶۳)

شیخ صلاح الدین درویش کا مقبرہ

ان کا مقبرہ شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کے مقبرے کے قریب ہے۔ ۲۲ صفر کو اُن کا عرس ہوتا ہے۔

(ص ۶۸)

شیخ نور الدین کا مزار

ان کا مزار جمنا کے کنارے شیخ ابوبکر طوسی کی خانقاہ کے سامنے ہے۔ یہ مقام باہیبت و

عظمت ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں پریاں رہتی ہیں۔

(ص ۷۳)

شیخ ضیا الدین رومی کا مزار

ان کا مزار سلطان محمد عادل کے (بنائے ہوئے) بجی منڈل کے سامنے خواجہ قطب الدین کے مقبرے کے راستے میں ہے۔

(ص ۷۳)

شیخ ابوبکر طوسی حیدری کا مزار

ان کی قبر ان کی خانقاہ ہی میں ہے۔

(ص ۷۴)

شیخ فرید الدین کا مزار

ان کی قبر پرانے شہر میں خواجہ قطب الدین کاکی کے مقبرے کے راستے میں بجی منڈل کی طرف ہے۔ ان کا گھر بھی اسی جگہ تھا۔ وہاں چکی کا ایک پتھر پڑا ہوا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ نے حالت سکر میں یہ چکی کا پاٹ اپنے گلے میں ڈال لیا تھا اور اسی حالت میں ناگورہ سے دہلی آئے تھے۔

(ص ۷۴)

سید محمد بن سید محمود کرمانی کا مزار

جمعے کی رات ۷۱۱ ہجری (مطابق ۱۳۱۲-۱۳۱۱ء) میں ان کا انتقال ہوا اور چبوترۂ یارانِ دہلی (درگاہ حضرت نظام الدین اولیا) میں دفن ہوئے۔

(ص ۹۴)

مولانا شمس الدین یحییٰؒ کا مزار

جس زمانے میں سلطان محمد تغلق نے قہر و ستم کی تلوار عام لوگوں کے خلاف اور خاص طور سے مشائخ کے خلاف کھینچ لی تھی۔ اس نے مولانا شمس الدین کو بلایا اور کہا، آپ جیسے دانش مند یہاں کیا کر رہے ہیں، کشمیر جائیے وہاں کے بت خانوں میں بیٹھیے اور خلق خدا کو دعوتِ اسلام دیجیے۔ مولانا بادشاہ کے یہاں سے اس ارادے واپس آگئے کہ سفر کا سامان تیار کریں۔ انھوں نے کہا کہ میں نے شیخ (شیخ نظام الدین اولیاؒ) کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے بلا رہے ہیں میں اپنے خواجہؒ کی خدمت میں جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے کہاں بھیجیں گے۔ دوسرے دن ان کے سینے پر ایک بہت بڑا پھوڑا نمودار ہوا اور وہ بیمار پڑ گئے۔ یہ خبر جب بادشاہ کو پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ انھیں دربار میں لایا جائے۔ ایسا نہ ہوا ہو کہ انھوں نے بہانا کیا ہو، اسی اثنا میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی قبر چبوترۂ یاران میں ہے۔

(ص ۹۵)

مولانا وجیہہ الدین پائلیؒ کا مزار

ان کی قبر حوض شمسی کے کنارے پر اس قبرستان میں ہے جس میں ان کے شاگرد قاضی کمال الدین صدرِ جہاں اور قتلغ خاں مدفون ہیں۔

(ص ۹۶)

خواجہ ضیا الدین برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی کا مزار

شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں انسان کا گزارہ جتنی کم سے کم چیزوں پر ہو سکتا تھا، اس پر قناعت کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ وفات کے وقت دنیا سے خالی ہاتھ اور پاک صاف گئے۔ کہتے ہیں کہ ان کی میت پر جو بوریا ڈالا گیا

تھا اس کے علاوہ اور کوئی چیز ان کی ملکیت نہیں تھی۔ حضرت شیخ نظام الدینؒ کے مقبرے کے قریب اپنی والدہ کے مزار کے پائیں دفن ہوئے۔

(ص ۱۰۰)

شیخ نظام الدین شیرازیؒ کا مزار

ان کی قبر شیخ علا الدین کے شہر میں ہے۔ ان کی سکونت بھی وہیں تھی۔ اپنے گھر کے قریب ہی دفن ہوئے

(ص ۱۰۶)

خواجہ مؤید الدین کرہؒ کا مزار

ان کی قبر خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے پائیں میں ہے۔

(ص ۱۰۶)

شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کا مزار

ان کی قبر ایک اونچے چبوترے پر حوض شمسی کے مشرق میں مولانا برہان بلخیؒ کی قبر کے قریب ہے

(ص ۱۱۳)

شیخ عثمان سیاحؒ کا مزار

آپ کا مزار پرانی دلی میں سلطان محمد عادل کے بنائے ہوئے ہفت پل کے پاس ہے۔

(ص ۱۲۷)

شیخ شہاب الدین حق گو رح کا مزار

ان کا حق گو لقب اس لیے ہے کہ سلطان محمد بن تغلق نے حکم دیا کہ مجھے "محمد عادل کہیں" اور (شیخ شہاب الدین) نے کہا "ہم ظالموں کو عادل نہیں کہہ سکتے۔" سلطان محمد نے انھیں قلعے پر سے نیچے گرا دیا اور وہیں قلعے کے نیچے ان کی قبر ہے۔

(ص ۱۲۷)

شیخ فخر الدین رح کا مزار

ان کا مزار دلی جدید میں فیروز آباد کی طرف ہے۔

(ص ۱۲۷)

شیخ صدر الدین حکیم رح کا مزار

ان کی قبر علاالدین خلجی کی دلی کے قلعے میں ہے۔

(ص ۱۴۲)

سید یوسف بن سید جمال الحسینی رح کا مزار

سید یوسف کا مزار حوضِ خاص کے پاس ہے۔ ان کی وفات ۷۹۰ ہجری (مطابق ۱۳۸۸ء) میں ہوئی۔

(ص ۱۴۶)

قاضی عبد المقتدر رح کا مزار

ان کا اٹھاسی برس کی عمر میں ۲۶ محرم ۷۹۱ ہجری (مطابق ۸۹-۱۳۸۸ء) کو وفات ہوئی۔ اُن کی اور اُن کے والد کی قبر خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رح کے مزار کے قریب حوض شمسی کے

جنوبی سمت میں ہے۔ وہ جگہ (جہاں ان دونوں کے مزار ہیں) شیخ عبد الصمد رح کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔

(ص ۱۴۶)

شیخ زین الدین رح کا مزار

یہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ خادم اور بھانجے تھے۔ .... ان کا مزار اس گنبد میں ہے جو شیخ نصیر الدین کے مقبرے کے صحن میں ہے۔

(ص ۱۴۷)

مسعود بک رح کا مزار

یہ شیخ رکن الدین یمان کے مرید تھے .... ان کی قبر شیخ رکن الدین رح کے مقبرے میں ہے۔ یہ مقبرہ لاڈو سرائے میں خواجہ قطب الدین کے مزار کے قریب ہے۔

(ص ۱۶۲)

مولانا سما الدین رح کا مقبرہ

۱۷ جمادی الاول ۹۰۱ ہجری (مطابق ۹۶-۱۴۹۵ء) کو آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا اور آپ کی اولاد کا مقبرہ حوض شمسی کے اوپر کے حصے میں ہے، جہاں آپ کی اولاد کی قبریں قطار اندر قطار ہیں۔

(ص ۲۰۲)

شاہ عبد اللہ قریشی رح کا مزار

اُن کی قبر پُرانی دلی میں ہے .... ان کی وفات ۲۲ ستمبر کو ہوئی تھی۔

(ص ۲۰۶)

شیخ حاجی عبدالوہاب بخاریؒ کا مزار

ان کی وفات ۹۳۲ ہجری (مطابق ۲۶-۱۵۲۵ء) میں ہوئی۔ "شیخ حاجی" سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ ان کی قبر دلی میں شاہ عبداللہ قریشیؒ کے مقبرے کے قریب ہے۔

(ص ۲۰۷)

شاہ جلال شیرازیؒ کا مزار

۹۴۴ ہجری (مطابق ۳۸-۱۵۳۷ء) میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار بھی شیخ حاجی عبدالوہاب کے مقبرے کے پاس ہے۔

(ص ۲۱۱)

شیخ سلیمانؒ کا مقبرہ

شیخ صاحب کی وفات ۱۴ محرم ۹۴۴ ہجری (مطابق ۱۵۳۷ء) میں ہوئی۔ ان کا مقبرہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرے کے عقب میں ہے۔

(ص ۲۱۲)

شیخ امجد دہلویؒ کا مقبرہ

ان کا مقبرہ حوض شمسی کے بالائی علاقے میں ہے۔

(ص ۲۱۵)

شیخ ادھن دہلویؒ کا مقبرہ

شیخ صاحب کی وفات ۹۲۴ ہجری (مطابق ۱۵۱۸ء) میں ہوئی۔ ان کا مقبرہ حوض شمسی کے مغرب میں ہے۔

(ص ۲۱۵)

شیخ یوسف قتالؒ کا مزار

ان کی وفات ۹۳۳ ہجری (مطابق ۲۷-۱۵۲۶ء) میں ہوئی۔ ہفت پل کی عمارت میں آپ کا مقبرہ ہے۔

(ص ۲۱۵)

مولانا شعیبؒ کا مزار

مولانا کا انتقال ۹۳۶ ہجری (مطابق ۳۰-۱۵۲۹ء) میں ہے۔ ان کا مزار ملک زین الدین........ کی خانقاہ کے قریب شمال کی طرف ہے۔

(ص ۲۱۶)

ملک زین الدینؒ اور وزیر الدینؒ کے مزار

یہ دونوں بھائی تھے......... شیخ زین الدین کو ان کے ایک غلام نے صبح کے وقت دودھ میں زہر ملا کر پلا دیا اور شیخ وزیر الدینؒ سلطان ابراہیم کے ساتھ ایک جنگ میں شہید ہو گئے۔ ان کا مزار حوض شمسی کے مغرب میں ہے۔ ان کی خانقاہ، چبوترہ اور وہ جگہ جہاں مزار ہے، بے مثل ہے اور حوض شمسی کے بالائی حصے میں جو عمارتیں ہیں ان میں ممتاز اور مشہور رہے۔

(ص ۲۱۷)

شیخ جمالیؒ کا مقبرہ

شیخ صاحب کا انتقال ۱۰ ذی القعدہ ۹۴۲ ہجری (مطابق ۱۵۳۶ء) میں ہوا۔ شیخ صاحب ہمایوں بادشاہ کے ساتھ گجرات گئے ہوئے تھے، وہیں انتقال ہوا۔ انھوں نے اپنی زندگی ہی اپنا مقبرہ بنایا تھا اور اسی میں رہا کرتے تھے۔

(ص ۲۱۸)

شیخ عبدالحی حیاتیؒ کا مزار

یہ شیخ جمالی کے چھوٹے لڑکے تھے۔ ان کی ولادت ۹۳۳ ہجری (مطابق ۲۷-۱۵۲۶ء) میں اور وفات ۱۹۵۹ ہجری میں ہوئی۔ ان کی قبر شیخ جمالی کے مقبرے کے چبوترے کے باہر ہے۔

(ص ۲۱۸)

سید حسین پائے مناریؒ کا مزار

۹۴۲ ہجری (مطابق ۳۶-۱۵۳۵ء) میں ان کا انتقال ہوا۔ منارۂ شمسی (قطب مینار) کے پائیں میں ان کا مزار ہے۔

(ص ۲۲۰)

شیخ علاالدینؒ بن شیخ نورالدین اجودھنیؒ کا مزار

ان کی ولادت ۸۷۲ ہجری (مطابق ۶۸-۱۴۶۷ء) میں ہوئی اور ۹۴۸ ہجری (مطابق ۴۲-۱۵۴۱ء) میں انتقال ہوا۔ ان کا مقبرہ پرانی دلّی کے قریب سرائے میں ہے۔

(ص ۲۲۰)

میر سید ابراہیمؒ کا مزار

سلطان سکندر کے عہدِ حکومت کے اواخر میں تقریباً ۹۲۰ ہجری (مطابق ۱۵-۱۵۱۴ء) میں دہلی آئے اور اسلام شاہ کے دورۂ حکومت میں ۹۵۳ ہجری (مطابق ۴۷-۱۵۴۶ء) میں انتقال ہوا۔ ان کا مزار سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کے مقبرے اور خانقاہ میں موجود ہے۔ یہ امیر خسروؒ کے مقبرے کے پائیں میں ہے۔

(ص ۲۳۹)

میر سید عبدالاوّلؒ کا مزار

۹۶۸ ہجری (مطابق ۶۱-۱۵۶۰ء) میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کا مزار قلعۂ دلی میں کشنک نروا کے نزدیک قبرستان میں ہے۔

(ص ۲۴۲)

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہرؒ کا مزار

شیخ صاحب ۸۹۸ ہجری (مطابق ۹۳-۱۴۹۲ء) میں جونپور میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں والد کے ساتھ دلّی آگئے۔ ۶ جمادی الآخر ۹۷۵ ہجری (مطابق ۶۹-۱۵۶۸ء) کو ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کا مزار بھی ان کی خانقاہ کے صحن میں ہے۔

(ص ۲۷۰)

مولانا درویش محمد طاہرؒ کا مزار

۹۹۷ ہجری (مطابق ۸۹-۱۵۸۸ء) میں وفات پائی۔ آپ کا مزار دلّی میں شیخ برہان الدین بلخی کے چبوترے کے پاس ہے۔

(ص ۲۷۴)

مولانا بخشیؒ کا مزار

دلّی میں حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کے قریب مرزا محمد عزیز جو کہ اپنے عہد کی بڑی مقتدر شخصیت تھے، نے ان کے لیے خانقاہ بنوائی تھی۔ اس خانقاہ میں مشغولِ عبادت رہتے تھے اور یہیں مدفون ہوئے۔

(ص ۲۷۴)

شیخ حسن بودلہؒ کا مزار

۹۶۴ ہجری (مطابق ۵۷-۱۵۵۶ء) کے آس پاس ان کا انتقال ہوا۔ شاہ سلیم نے ۹۵۹ ہجری (مطابق ۵۲-۱۵۵۱ء) میں آپ کو شہید کیا تھا۔ یہ خواص خاں شیر شاہ سوری کے دوست تھے۔ ان کا مزار دلی بازار میں خواص خاں کے مقبرے کے پاس ہے۔

(ص ۲۷۶)

بی بی سارہؒ کا مزار

یہ شیخ نظام الدین ابوالمؤیدؒ کی والدہ تھیں۔ ان کا مزار پرانی عیدگاہ کے کنارے پر ہے کہ جس کے پس پشت حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کاکی کا مزار ہے۔

(ص ۲۸۰)

بی بی فاطمہ سامؒ کا مزار

سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ بی بی فاطمہ کا مزار اندرپت قصبے کے نواح میں ہے۔ لیکن میں یعنی مؤلف اخبار الاخیار کہتا ہوں کہ ان کا مزار دلی کے نخاس دروازے کے قریب ایک کھنڈر میں ہے کہ جسے کوئی نہیں جانتا۔

(ص ۲۸۱)

بی بی زلیخاؒ کا مقبرہ

شیخ نظام الدین اولیاؒ کی والدہ تھیں۔ ان کا روضۂ مبارک شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے متصل ہے۔ ان کا گھر بھی وہیں تھا۔

(ص ۲۸۳)

بی بی اولیاؒ کا مزار

ان کا مزار دلی میں قلعۂ علائی کے باہر ہے۔

(ص ۲۸۳)

منتخب التواریخ

جلد اوّل

مصنفہ

عبدالقادر بن ملوک شاہ بداونی

مرتبہ

مولوی احمد علی

دلّی میں قطب کی لاٹ، مسجد قوت الاسلام وغیرہ کی تعمیر

(قطب الدین ایبک) نے دلّی کو دار السلطنت بنایا اور اس کے اطراف میں نظم ونسق قائم کیا۔ اس دن سے دلّی سلاطین کی تخت گاہ بن گئی اور چھے سو ہجری (مطابق ۱۲۰۹-۱۲۱۰ء) میں مینار (قطب مینار) دوسری عمارتیں جیسے مسجد (مسجد قوت الاسلام) وغیرہ عہد سلطان شمس الدین التمش میں تعمیر ہوئیں۔ (ص ۵۱)

شہرِ نو

(سلطان جلال الدین خلجی) نے جمنا کے کنارے قصرِ معزی (معز الدین کیقباد کا بنایا ہوا محل) کے سامنے ایک باغ اور نیا شہر بنایا اور اس کی فصیل پتھر سے بنوائی۔ جب شہر بن گیا تو اسے "شہرِ نو" کے نام سے منسوب کیا۔

(ص ۱۶۷ - ۱۶۸)

غیاث پور (بستی حضرت نظام الدینؒ)

چھ سو اکیانوے ہجری (۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ء) میں مغلوں نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ بسنام میں جلال الدین خلجی نے مغلوں کا مقابلہ کیا اور انھیں زبردست شکست دی۔ مغلوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ چنگیز خاں کے پوتے الغو نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے ساتھ کئی ہزار مغلوں نے کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

بادشاہ نے الغو کو داماد بنالیا اور (یہ لوگ غیاث پور میں سکونت پذیر ہو گئے)۔ آج کل وہاں سلطان المشائخ نظام الاولیا قدس اللہ سرہٗ کا مقبرہ ہے اور مغل پور کے نام سے مشہور ہے اور ان مغلوں کو نومسلم کہا جاتا ہے۔

(ص ۱۷۳)

امیر خسروؒ کا مزار

امیر خسروؒ کی وفات ۷۲۵ ہجری (مطابق ۲۵ - ۱۳۲۴ء) میں ہوئی اور دلّی میں اپنے پیر رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک قبر کے پائیں مدفون ہیں۔ مولانا شہاب معمائی نے ان کا جو قطعۂ تاریخ کہا تھا، وہ ایک پتھر پر نقش کر کے ان کے مزار پر نصب کر دیا ہے۔ قطعہ یہ ہے:

زمیں را ازیں لوح شد سرفرازی
بدوران بابرؒ شہنشاہِ غازی

مقبرہ فیروز شاہ تغلق

میر خسرو ، خسرو ملکِ سخن
آن محیطِ فضل و دریای کمال
نثرِ او دل کش تراز ماءِ معین
نظمِ او صافی تراز آبِ زلال
بلبلِ دستان سرایے بیقرین
طوطیِ شکر مقال بی مثال
از پئے تاریخ سالِ فوتِ او
چوں نہادم سر بزانوی خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ او
دیگری شد طوطیِ شکر مقال

(ص ۲۰۱)

قلعۂ تغلق آباد

غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد کا قلعہ اور تمام عمارتیں بنائیں. (جب یہ عمارتیں مکمل ہوگئیں تو وہاں خوشی کا جشن منایا. بدر چاچی نے قلعے کے مکمل ہونے کی تاریخ فادخلوھا سے نکالی.

ص ۲۲۲

افغان پور کا محل

(سلطان محمد عادل بن تغلق شاہ نے) جب سنا کہ سلطان تغلق شاہ، بہادر شاہ کو ساتھ لے کر فتح و کامرانی کے جھنڈے لہراتا ہوا دلی آرہا ہے، تو الغ خاں نے حکم دیا کہ تین دن

کے اندر اندر ایک عالی شان محل تغلق آباد سے تین کروہ کے فاصلے پر افغان پور میں تعمیر کیا جائے، تاکہ سلطان تغلق اس میں اُتریں، رات گزاریں اور آرام کریں اور نیک ساعت میں وہاں سے تغلق آباد میں ورود فرمائیں۔

سلطان وہاں پہنچا اور الغ خاں نے تمام اکابر و اعیان کے ساتھ اس کے استقبال کو پہنچا اور کھانے کا انتظام کیا۔ سلطان تغلق نے کہا کہ وہ جو ہاتھی بنگالہ سے اپنے ساتھ لایا ہے انھیں دوڑائے جائیں۔ نئے محل کی بنیاد ابھی تازہ اور کمزور تھی، اِس لیے ہاتھیوں کی دوڑ سے زمین ہل گئی۔ چوں کہ لوگوں (بادشاہ کے ساتھیوں) کو علم تھا کہ فوراً روانہ ہونا ہے، اِس لیے وہ بغیر ہاتھ دھوئے باہر آ گئے۔ سلطان تغلق (ابھی) ہاتھ دھو رہا تھا۔ باہر نہیں گیا تھا محل اس کے سر پر گرا اور اس نے زندگی سے ہاتھ دھوئے۔

(ص ص ۲۲۴-۲۲۵)

فیروز آباد کی تعمیر

سلطان فیروز شاہ تغلق سات سو پچپن ہجری میں دلّی آیا اور اس نے جمنا کے کنارے فیروز آباد کی بنیاد رکھی۔

(ص ۲۴۴)

مقبرہ سلطان فیروز شاہ تغلق

۷۹۰ ہجری (مطابق ۱۳۸۸ء) میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے وفات پائی۔ اسے حوض خاص کے کنارے دفن کیا گیا۔ اس کے مزار پر ایک شان دار گنبد بنایا گیا۔

(ص ۲۵۵)

شہر مبارک آباد

سنہ سات سو سینتیس ہجری (۳۶-۱۳۳۷ء) میں مبارک شاہ نے جمنا کے کنارے

شیر منڈل

ایک شہر بنایا جو اصل میں خراب آباد تھا۔ (خراب آباد اس لیے کہا گیا ہے کیوں کہ ایک دن مبارک شاہ، مبارک آباد کی زیرِ تعمیر عمارتوں کا معائنہ کرنے گیا ہوا تھا اور جمعے کی نماز کی تیاری کر رہا تھا کہ میران صدر نے اسے قتل کر دیا)۔

(ص ۲۹۸)

شیر شاہ سوری کا شہر

(شیر شاہ سوری) جب سلطان علاالدین کی آباد کی ہوئی پرانی دلی پہنچا تو اسے بھی اس نے برباد کر دیا، اور قلعۂ دین پناہ میں کہ جسے محمد ہمایوں بادشاہ نے آباد کیا تھا، جسے تین کروہ کی لمبائی میں فیروز آباد نام سے ایک شہر آباد کیا اور اس قلعے کا دروازہ پتھر اور چونے کا بنوایا۔

(ص ۳۶۳)

شیر منڈل

۷، ربیع الاول ۹۶۳ ہجری (مطابق ۱۵۵۶ء) میں بادشاہ (ہمایوں) کتاب خانے کے کوٹھے پر تھا، جو دین پناہ کے قلعے میں تعمیر کیا گیا تھا۔ (ہمایوں) کتاب خانے سے باہر آیا اور جب وہ نیچے اُتر رہا تھا تو مؤذن نے اذان دی۔ اذان کی تعظیم کی وجہ سے وہ بیٹھ گیا۔ جب وہ (اذان ختم ہونے کے بعد) کھڑا ہونے لگا تو اس کا عصا پھسل گیا اور اس کے قدم ڈگمگا گئے اور کچھ سیڑھیوں پر سے وہ لڑھکتا ہوا زمین پر آگیا۔ ......

اسی مہینے کی ۱۵، تاریخ کو بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

(ص ص ۴۶۵ - ۴۶۶)

مقبرہ ہمایوں

اسی سال دلی میں جمنا کے کنارے میرک مرزا غیاث کی نگرانی میں ہمایوں بادشاہ

کے مقبرے کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ آٹھ، نو سال میں یہ عمارت مکمل ہو گئی۔ حقیقت یہ
ہے کہ یہ عمارت انتہائی حیرت انگیز اور پُر فضا ہے۔

(ص ۴۶۸)

تاریخِ داؤدی

عبدُاللہ

مُرتّبہ
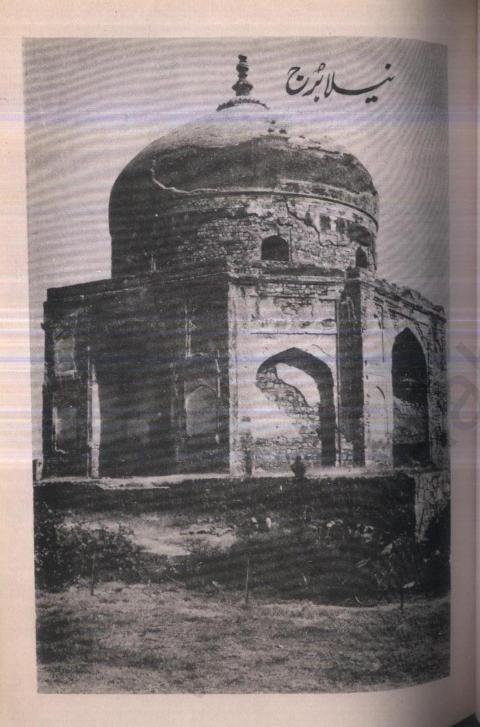
شیخ عبدالرشید

سلطان بہلول لودی کا مقبرہ

سلطان بہلول لودی کا قصبہ سکیٹ (دہلی میں اب یہ علاقہ ساکیت کے نام سے جانا جاتا ہے) ۸۹۴ ہجری (مطابق ۸۸-۱۴۸۹ء) میں انتقال ہوا۔

گر افراسیاب است ور پور زال
بیاید ز دستِ اجل گو شمال

جور باغ (مطبوعہ تاریخِ داؤدی میں یہ باغ "جود" ہے جو غلط ہے) کے متصل دلّی میں مقبرے میں مدفون ہوا، جس کی عمارت عالی شان ہے۔

(ص ص ۲۰-۲۱)

قلعۂ شیر گڑھ

اس فتح کے بعد شیر شاہ دلّی کی طرف واپس ہوا اور ۹۴۷ ہجری (مطابق ۴۰-۱۵۴۱ء)
دہلی آگیا۔ قلعۂ علائی، جو بہت بلند اور مستحکم تھا، بعض نفسانی تعصبات یا رقابتِ انسانی کی وجہ سے
(شیر شاہ نے) ویران کردیا اور دریائے جمنا کے کنارے فیروز آباد اور کیلوکھڑی کے درمیان
قصبہ اندرپت میں دو تین کوس کے فاصلے پر پرانے شہر کو نئے شہر میں بدل دیا جو اب تک
آباد ہے۔ شاندار مسجد بنائی اور بہت جلد تعمیر مکمل کی۔ قلعہ بہت لمبا چوڑا اور بہت بلند بنایا، جو
اس کے عہدِ حکومت میں (یہ قلعہ) مکمل نہ ہوا۔ ہاں قلعے کے اندر چھوٹے سے محل کی تعمیر مکمل
ہوگئی۔ اس محل کا نام "شیر منزل" رکھا۔

(ص ص ۱۴۸-۱۴۹)

شیر شاہ کی عمارتیں

دارالخلافہ دلّی شہر جمنا کے کنارے سے دُور تھا، اسے ویران کرکے شیر شاہ سوری نے
جمنا کے کنارے شہر آباد کیا اور حکم دیا کہ ایک قلعہ اور ایک مسجد ایسے بنائے جائیں جو مضبوطی میں
پہاڑ اور بلندی میں ثریا سے اونچے ہوں۔۔۔۔۔ جامع مسجد کی نقاشی میں سونا، لاجورد اور
شنگرف بہت خرچ کیا گیا اور وہ قلعہ جو شہر میں بنایا گیا تھا ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ اس کا
انتقال ہوگیا۔

(ص ص ۲۱۷-۲۱۸)

خزائن الفتوح

امیر خسرو

مُرتّبہ

محمد وحید مرزا

دارالعدلی

اُس دارالعدلی کی بنیاد گزاری کی داستان، جس نے لوگوں کے لیے فیض کا دروازہ کھول دیا۔

....

پھر اُس (علاالدین خلجی) نے دارالعدلی قائم کیا۔ جو پاکباز اور نیک کردار لوگوں کی پیشانی سے زیادہ کُشادہ تھا...... (یہ کہنا مشکل ہے کہ کوئی امیر خسرو "دارالعدلی" کی عمارت کا ذکر کر رہے ہیں۔ یا یہ محض ایک 'محکمہ' ہے، جسے علاالدین خلجی نے قائم کیا تھا۔ خلیق)

(ص ص ۲۱-۲۲)

مسجد قوۃ الاسلام

اُس کارِ خیر کا ذکر جس کی بنیاد اُس کے بانی (علاالدین خلجی) نے رضائے خداوندی کے لیے رکھی....... پھر دین و دنیا کی تعمیر اس (خلجی) کے بعد خدا کے درمیان راز ہے۔ اس نے کارِ خیر کی ایسی بنیاد رکھی، جو آسمان کے لیے بھی قابلِ رشک تھا۔ اُس نے اس نیک کام کی ابتدا دارالسلطنت (دلّی) کی مسجد جامع (مسجد قوۃ الاسلام) سے کی۔ اس نے حکم دیا کہ تین قدیم (پہلے سے بنے ہوئے) مقصوروں میں چوتھے مقصورے کا اضافہ کیا جائے۔ یہ مقصورہ اتنے (اونچے) ستونوں کا سہارا دے کر بنایا جائے کہ اُسے آسمان دوسرا بیت المعمور (کہتے ہیں کہ چوتھے آسمان پر بیت المعمور نام کی ایک مسجد ہے جو فرشتوں سے بھری رہتی ہے) کہ کر پکارے۔ حکمِ عالی پر آسمان سے سورج کے پتھر لائے گئے اور زمین سے پتھروں کو چاند تک پہنچایا (یعنی مقصورہ بہت بلند بنایا) اور پتھروں پر قرآن کی آیتیں اس طرح نقش کیں کہ موم پر بھی (ایسے) نقش نہیں بن سکتے اور اتنا اونچا پہنچا دیا۔ ایسا لگتا ہے جیسے کلامِ خدا آسمان پر جائے گا اور دوسری طرف پتھروں پر منقوش آیتوں کو) اتنا نیچے پہنچا دیا کہ نزولِ قرآن کا واقعہ یاد آتا ہے۔ کتبوں کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا، جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ جب یہ عمارت برجول سے لے کر فرش تک) اوپر سے نیچے تک مکمّل ہو گئی تو شہر میں اور مسجدیں اتنی مضبوط بنائیں کہ قیامت کے دن جب زلزلہ آئے گا' اور جب ہزار چشمۂ فلک کے بام زمین پر گریں گے' تو (اس کی) کسی محراب کا گوشۂ اَبرو بھی خم نہیں ہوگا۔ جن پرانی مسجدوں کی دیواریں آگے جھک گئی تھیں یا بالکل گر گئی تھیں' اور جن کی چھتیں بھی گرنے والی تھیں (معماروں نے اُن کے ستونوں کو اس طرح سیدھا کھڑا کیا کہ اُن کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں (جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ) مذہبِ اسلام کے ستون نماز ہیں اور اُن کی چاروں دیواریں ایسی مضبوط ہو گئیں جیسے اسلام کے پانچ رکن۔ اُن مسجدوں کے اندر اور باہر سفیدی کر کے انھیں ایسا نورانی بنا دیا جس کے سفید اور چمکدار

رنگ کو دیکھ کر آسمان کا رنگ نیلا پڑ گیا۔

(ص ۱۳)

علائی لاٹھ

........اُس (علاالدین خلجی) نے فیضِ خداوندی سے پرانی اور بوسیدہ مسجدوں کو نئی زندگی بخش دی، اور اس طرح یہ مسجدیں قابلِ احترام کعبے کی طرح برباد ہونے سے بچ گئیں۔ پھر بلند حوصلگی کی وجہ سے، اُس نے ارادہ کیا کہ مسجد کے بلند مینارے، جو یگانۂ روزگار ہیں، کا جواب پیدا کرے (یعنی قطب مینار کی طرح ایک اور مینار تعمیر کرے..... اس نے پہلے حکم دیا کہ مسجد کا صحن، جتنا زیادہ ممکن ہو، اتنا وسیع کیا جائے تاکہ مسلمان کہ جنھیں خدا نے توفیق دی ہے کہ اس دنیا میں نہیں سما سکتے، انھیں دنیا میں ایک اور دنیا نظر آئے۔ (بادشاہ نے یہ حکم بھی دیا کہ استحکام کے لیے عمارت کا محیط پہلے مینارے (قطب مینار) سے دُگنا ہو...... تاکہ پرانے مینارے کا کلاہ (اوپر کی منزل) نئے مینارے کے درمیان کے قبّے کے برابر ہو ....

ہندوستان کے سنگ تراشوں نے، جن کے فنِ سنگ تراشی پر فرہاد کو بھی رشک آتا تھا، اپنے تیشے سے پتھروں کو اتنا ہموار اور چکنا کر دیا کہ اگر اُس پر سے خیال گزرے تو اُس کے قدم ڈگمگا جائیں........ عمارت کی تعمیر کی جو تاریخ دیوار پر لکھی گئی، وہ سات سو گیارہ ہے۔

(ص ص ۲۵-۲۶)

شہر کی فصیل

شہر (دلّی) کی مضبوط فصیل کی تعمیر کا ذکر۔ یہ (فصیل دنیا میں دوسری سکندری کی طرح ہے.......

دلی کی فصیل کعبۂ معظمہ کے بعد دوسری ہے۔ (یہ فصیل) بہت عرصے پہلے تعمیر

ہوئی تھی۔ .... قدامت کی وجہ سے دیوار جگہ جگہ سے گر گئی تھی۔ اُس کے کنگروں نے کبھی جنھیں دیکھنے والوں کی ٹوپیاں گر جاتی تھیں۔ خود اپنے کلاہ زمین پر پھینک دیے۔ (یعنی گر پڑے تھے) جب علاالدین خلجی کا زمانہ آیا، خدا کرے وہ تا قیامت سلامت رہے۔ اُس نے حکم دیا کہ خزانے مٹی اور پتھروں کے ہم وزن سونا لے کر اس کی تعمیر پر خرچ کیا جائے۔ ماہر معماروں نے کام شروع کر دیا اور بہت جلد پرانی کی جگہ نئی فصیل تعمیر کرا دی.... چوں کہ یہ شرط ہے کہ نئی عمارت کی بنیاد) میں خون ڈالا جائے، اس لیے کئی ہزار بکروں جیسی داڑھی والے مغلوں کو اس پر قربان کیا گیا۔

(ص ص ۲۷-۲۸)

ایک اور قلعے کی تعمیر کا ذکر، کہ جو بادشاہ کی عنایت سے آسمان سے باتیں کرنے لگا

جب دار العلا محمدی کے معماروں کو دلّی کی عمارتوں کی تعمیر کا (مناسب) معاوضہ مل گیا، تو (بادشاہ نے تمام ملک میں جو فصیلیں اور قلعے تھے اور برسات کی وجہ سے اُن میں نمی پیدا ہو گئی تھی۔ جن کے دربند (دروازوں کی آگلیں) اونگھ رہی تھیں یا سو رہی تھیں (یعنی اب کوئی اُن عمارتوں کے دروازے نہیں کھولتا تھا) جن میں دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ جنھوں نے منھ کھول دیا تھا اور دانت دکھا رہی تھیں (یعنی بالکل خستہ ہو گئی تھیں)...... بادشاہ نے حکم دیا کہ اُن کی مرمّت کی جائے۔

(ص ص ۲۸-۲۹)

پُرانی مسجدوں کی تعمیر

شہری اور دیہی علاقوں میں مسجدوں کی مرمّت کرائی تاکہ تمام دنیا، تسبیح اور اذان کی آوازوں سے گونج اُٹھے۔......... ہر اُس مسجد کی تعمیر کی گئی کہ جس کی حالت خستہ ہو گئی

تھی۔ اُن میں سے کچھ مسجدوں کے طاق زمین پر گرے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے قبر اور مُصلّے کی محرابیں۔ بعض (مسجدوں) کی دیواریں بار بار مرمّت کی وجہ سے ایسی لگتی تھیں جیسے پیوند لگا ہوا کپڑا۔ مسجدوں کو مٹّی سے بھری ہوائیں مٹّی سے تیمم کراتی تھیں۔ بارشوں میں بھیگنے کی وجہ سے بعض مسجدوں کے ستون اور شہتیر جُھک گئے تھے۔ انھوں نے چاندی کو اس طرح بہایا جیسے پانی ہو۔ (بہت روپیہ خرچ کیا) اور سب کی مرمّت کی۔

(ص ۲۹)

حوضِ شمسی

اس حوضِ سلطان کا ذکر جس کا آبِ زلال، آبِ خضر سے نئی زندگی حاصل کرتا ہے۔

حوضِ سلطان کہ شمسی کے نام سے چشمۂ خورشید کی طرح روشن رہے گا..... حوضِ اُس (سورج) کی گرمی سے خشک ہو جاتا ہے۔ اس سال متحرک آسمان کی ترغیب پر اُس پر (حوض پر) اتنے زور سے گرم ہوا کہ اُسے بے آب (خشک) کر دیا۔ چناں چہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے حوض کی تہ میں دراڑیں پڑ گئیں اور (زمین) پارہ پارہ ہو گئی۔ .... سورج نے حوض کے چشموں کو خشک کر دیا تھا، اتنی تیز بارش ہوئی کہ حوض کے چشموں میں پانی آگیا..... فی الحال شہر میں میٹھا پانی مہیا ہو گیا۔ تمام کنوؤں کا کھاری پن ختم ہو گیا......... اتنی تیز بارش ہوئی کہ حوض کے چبوترے (یہ چبوترہ حوض کے وسط میں تھا) کے چاروں کونوں پر دو یا تین چشمے نکل آئے اور چند روز میں پانی چبوترے تک پہنچ گیا۔ (یعنی حوض بھر گیا) حوض کے وسط میں ایک مربع چبوترہ تھا اور چبوترے پر ایک گنبد بنا ہوا تھا۔

(ص ص ۳۰-۳۱)

تاریخِ مُبارک شاہی

مؤلفہ

یحییٰ بن احمد سرہندی

افغان پور (دلّی کے قریب) نئے محل کی تعمیر اور غیاث الدین تغلق کی موت

سلطان (غیاث الدین تغلق) وہاں (لکھنوتی) سے دلّی کی طرف واپس روانہ ہوا....... جب موضع افغان پور پہنچا کہ جو دربارِ عام کے لیے بنایا گیا تھا اور عجلت میں تعمیر ہونے کی وجہ سے اُس میں ابھی نمی باقی تھی۔ اس (غیاث الدین تغلق) نے حکم دیا کہ وہ ہاتھی جو لکھنوتی سے مالِ غنیمت کے طور پر لائے گئے تھے انھیں ایک ساتھ دوڑایا جائے۔ محل میں ابھی نمی باقی تھی کہ وہ بیکر ہاتھیوں کے قدموں (کی دھمک سے) زمین ہِل گئی اور محل گر پڑا۔ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ مرحوم محل کے نیچے دب کر ایک آدمی کے ساتھ شہید ہو گیا۔ یہ واقعہ ماہ (ربیع الاوّل

۷۲۵ھ) میں پیش آیا۔

کہا جاتا ہے کہ یہاں بھی شیخ الاقطاب شیخ محی الدین نظام الحق والشرع والدین کی رُوحانی قوّت کام آئی۔ جب (سلطان غیاث الدین تغلق نے) روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو شیخ نے اپنی زبانِ دُرّر بار سے فرمایا کہ دلّی تجھ سے دُور ہے۔ جب سلطان فتح و کامیابی کے ساتھ افغان پور آیا تو اُس نے کہا کہ دشمن کو کچل کر میں دلّی سلامت واپس آگیا، لیکن یہ خبر شیخ الاقطاب تک پہنچی تو فرمایا کہ دلّی تجھ سے دُور ہے اور یہ واقعہ ماہِ مذکور (ربیع الاوّل ۷۲۵ھ) میں رُونما ہوا:

شعر

جہاں گر گُنی در تہِ پاے خویش
بہ جُنبی سرانجام بر جاے خویش

(اگر تو ساری دنیا کو اپنے قدموں تلے روند دے لیکن آخرکار تو اپنی جگہ (قبر) سوئے گا۔)

(ص ص ۹۶-۹۷)

کوٹلہ فیروز شاہ

الغرض سنہِ مذکور میں (۷۵۳ھ) چند ماہ بعد (فیروز شاہ تغلق) کلانور کے لیے روانہ ہوا اور منجھور کے علاقے میں شکار کر کے دلی کی طرف روانہ ہوا۔ اُسی سال کوشک (موجودہ کوٹلہ فیروز شاہ) مسجد اور حوض خاص کے بالائی حصّے پر مدرسہ تعمیر کیا۔

(ص ص ۱۲۳-۱۲۴)

کچھ عرصے بعد اُس نے (فیروز شاہ) فیروز آباد جیسے عظیم شہر حرسہا اللہ عن الآفات (خدا اُسے آفات سے محفوظ رکھے) آباد کیا۔

(ص ۱۲۵)

تاریخِ شاہی

مؤلفہ

احمد یادگار

شیر شاہ کی دلّی

وہ شہر (شیر شاہ کی دلّی) شیر شاہ کے حکم سے دریائے جمنا کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ (اسے دیکھ کر) خوش ہوا۔ اس کے آباد ہونے پر خدا کا شکر ادا کر کے وہاں مقیم ہو گیا۔

(ص ۲۲۶)

سلیم گڑھ

(سلیم شاہ نے) شہر کے نزدیک قلعۂ دین پناہ کے سامنے دریائے جمنا کے کنارے قلعۂ اسلام گڑھ بنایا۔ اتنا مضبوط اور کوئی قلعہ ہندوستان میں نہیں ہوگا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے (پورا قلعہ) ایک پتھر سے تراشا گیا ہے۔

(ص ۲۵۶)

قانونِ ہمایونی

مؤلفہ

غیاث الدّین محمد مشہور بہ خواند امیر

دین پناہ

عدل و احسان کے قواعد کے اس بنیاد گزار (ہمایوں بادشاہ) کی بنائی ہوئی تمام عظیم الشان اور عجیب و غریب تعمیرات میں شہر دین پناہ، بے مبالغہ دین داران شب بیدار کی پناہ گاہ ہے۔ .... ۹۳۹ ہجری (مطابق ۱۵۳۳ء) میں شعبان کے مہینے میں گوالیار کے قلعے میں بادشاہِ سکندر آثار (ہمایوں بادشاہ) رونق افروز تھے، جس کی وجہ سے یہ قلعہ حصار سپہر دوّار کے لیے باعثِ رشک بنا ہوا تھا۔ ایک رات (ہمایوں) تختِ بخت و فیروزی پر جلوہ فرما تھے (انھوں نے) اُس دربار کے لوگوں کو جو فردوس جیسا تھا اور علما و فضلا کو مجلس میں حاضر رہنے کی اجازت دے رکھی تھی اور ہر طرف (بیٹھے ہوئے لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ اُس اثنا میں زبانِ الہام بیان سے سخن کی یہ گوہر افشانی کی مدّت سے ہمارے سر میں اس خیال نے اور دل میں اس ارادے نے جڑ پکڑلی ہے کہ حضرتِ دلّی کے دارالسلطنت کے

قریب ایک ایسا رفیع و وسیع شہر بنایا جائے، جس کی فصیل کے کنگرے خورنق اور سدیر (نعمان بن منذر نے بہرام گور کے لیے خورنق اور سدیر جیسی عجیب و غریب عمارتیں بنائی تھیں) پر طعنہ زن ہوں اور اُس کے بُرجوں کے پاسبان زحل کی ہمسری کا دعوے کریں۔ اُس شہر میں سات منزلہ ایک محل تعمیر کیا جائے اور اُس کے چاروں طرف بے مثال باغ لگائے جائیں۔ ان عمارتوں کی خوش نمائی اور شان و شکوہ کے بارے میں جو بھی سُنے، وہ انھیں دیکھنے کے لیے دنیا کے کونے کونے سے دوڑے ہوئے آئیں۔ صاحبانِ فضل و علم کی اس جائے پناہ بیدار مغز و شب بیدار بزرگوں کے اس مسکن کا نام "دین پناہ" ہو۔ اس فردوس مرتبت محفل کے حاضرین تحسین و آفرین کے لیے زبانِ اخلاص سے لب کشا ہوئے۔ اس اثنا میں امیر الظرفا، قدوۃ الفضلا مولانا شہاب الدّین احمد معمائی کو خیال آیا کہ حسابِ جمل کی رو سے شہر بادشاہ دین پناہ سے ۹۴۰ برآمد ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر اس تاریخ (سال میں) میں اس شہر کی بنیاد رکھی جائے تو عجیب و غریب اتفاق ہوگا۔ اسی وقت یہ بات (بادشاہ) کے گوش گزار کی گئی۔ حضرتِ اعلیٰ اور درباریوں نے اس حسنِ اتفاق پر تعجب کا اظہار کیا۔

.... قصّہ مختصر سبب مذکور کی وجہ سے طاقت ور اور فتح مند بادشاہ کے دل میں یہ ارادہ مصمم ہو گیا۔ خدا کی حفاظت میں گوالیار سے آگرے واپس آنے کے بعد ذی الحجہ ۹۳۹ ہجری (مطابق ۱۵۳۳ء) دارالسلطنت دلّی کی طرف موڑ دیں۔ اس جنّت صفات شہر، خدا اسے آفت سے بچائے، پہنچنے پر، استخارے اور استشارے کے بعد دریائے جمنا کے کنارے دین پناہ شہر کی بنیاد رکھنے کے لیے ایک ٹیلا پسند کیا۔ وہاں سے شہر تقریباً تین کوس کے فاصلے پر تھا۔ محرم الحرام ۹۴۰ ہجری (مطابق ۱۵۳۳ء) کے وسط میں اس گھڑی جس کا انتخاب عالم جیوتشوں اور ماہرِ فن ستارہ شناسوں نے کیا تھا، مشائخِ عظام، قابلِ احترام سید، علما اور دلّی کی مسجدوں کے امام اور بزرگ حضرات بادشاہِ بحرِ مکرمت آئے، خدا کے حضور میں نئے شہر کی بنیاد کی سلامتی اور حکومت کے استحکام کی دعا کی۔ پہلے بادشاہ نے اپنے دستِ حق پرست سے زمین پر پہلی اینٹ رکھی۔ پھر عالی مرتبہ حاضرین میں سے ہر ایک اینٹ ہاتھ میں لے کر اُس مقام پر آیا اور اتنی بھیڑ ہو گئی کہ سپاہیوں، فوجیوں، معماروں اور

طاقت ور مزدوروں کو (بنیاد میں) ٹھیک سے پتھّر رکھنے اور مٹی لانے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اسی دن بادشاہ کے محل کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ اب تک کہ سنہ مذکور ۹۴۰ ہجری (مطابق ۱۵۳۴ء) کے اواخرِ ماہِ شوال ہے۔ فصیل، دیواریں اور دین پناہ کے دروازے تقریباً مکمّل ہو گئے ہیں۔ چھوٹے اور بڑے، تاجیک اور ترک سب امید کرتے ہیں کہ اس شہر کی تمام بلند اور عظیم الشان عمارتیں بہت جلد مکمّل ہو جائیں گی۔

.... جناب امیر النظر فائی مولانا شہاب الدّین احمد معمائی نے (دین پناہ کی تعمیر کے سلسلے میں) جو قطعۂ تاریخ نظم کیا ہے، وہ لکھا جاتا ہے:

داورِ دوراں پناہِ ملک و دیں
خسروِ عادل، ہمایوں بادشاہ
کرد ایں شہرِ معظم را بنا
تا کنندش اہلِ دیں آرام گاہ
سالِ تاریخِ بنایش نزدِ عقل
ہست شہرِ بادشاہِ دیں پناہ

۹۴۰ھ

(ص ص ۸۲-۸۶)

تاریخِ فرشتہ

جلد اوّل

محمد قاسم فرشتہ

(عربی سے اردو میں ترجمہ۔ مولانا عطاء الرحمٰن)

دلّی کے آباد ہونے کا ذکر

داد بیٹھ راجپوت توراں کے ایک طائفے سے ہے۔ اس نے قصبہ اندرپت کے پاس ۳۰۷ ہجری (مطابق ۹۱۹-۹۲۰ء) میں ایک شہر آباد کیا۔ چوں کہ اس جگہ کی زمین بہت نرم اور بھربھری تھی اس لیے اس میں کیل بہ مشکل تمام ٹھہر پاتی تھی۔ اس لیے اس شہر کا نام دلّی پڑ گیا۔ داد بیٹھ کے بعد توران کے آٹھ اور بادشاہوں نے وہاں حکومت کی۔ ان کے نام ہیں بھوج راج، ادھرن، سپد ہندل، روہیک روہتکر، آہستگر، مدن پال، سالباہن —— جب توران کی حکومت کا زوال ہوا اور حکومت اعلا درجے کے راجپوتوں میں منتقل ہوئی تو ان میں سے چھے بادشاہوں نے یہاں حکومت کی۔ ان کے نام ہیں مانک دیو، دیوراج، راول دیو، جاہر دیو، سہر دیو، پتھورا —— اور جب سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ معرکے میں پتھورا قتل

ہوگیا تو دلی ۵۸۸ ہجری (مطابق ۱۱۹۲ء) کے اواخر میں ان کے تصرف سے نکل کر دیوان ملوک کے زیرِ اثر آگئی۔

(ص ۹۴)

مسجد قوۃ الاسلام

جب سلطان قطب الدین ایبک غزنی سے ۵۹۲ ہجری (مطابق ۹۵-۱۱۹۶ء) میں دلی واپس آیا تو اس نے جامع مسجد کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جو دلی میں کچھ عرصہ پہلے بنائی گئی تھی۔

(ص ۱۵۸)

حوض شمسی

ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جس کے جامع شیخ فرید الدین شکر گنجؒ ہیں (شیخ صاحب نے) لکھا ہے کہ بادشاہ کو ایک حوض بنانے کی خواہش ہوئی۔ اس حوض کے لیے مناسب جگہ کے تعین کے لیے وہ خواجہ صاحب (حضرت بختیار کاکیؒ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا۔ سلطان جس جگہ بھی پہنچا وہاں سے گزر گیا، یہاں تک کہ اس جگہ آگیا جہاں پر اب حوض شمسی ہے اور اسی جگہ کو (حوض کے لیے) طے کر لیا۔ جب رات ہوئی تو سلطان نے پیغمبر آں حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ سرورِ انبیا علیہ من الصلوۃ افضلہا اس زمین پر گھوڑے پر سوار کھڑے ہیں۔ انھوں نے فرمایا شمس الدین کیا چاہتے ہو۔ سلطان نے عرض کیا یا رسول اللہ حوض بنانا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ یہیں بنالو۔ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھوڑے نے زمین پر ٹاپ ماری اور وہاں سے ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ سلطان کی آنکھ کھل گئی۔ ابھی رات باقی تھی کہ خواجہ قطب الدین بختیارؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور واقعہ بیان کیا۔ خواجہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ سلطان مجھے زمین پر لے گیا، میں نے چراغ کی روشنی میں دیکھا کہ اس جگہ پانی کا چشمہ پھوٹا ہے۔

(ص ۱۱۶)

دلّی کے محلّے

جب ولایت کے شہزادے اور بزرگانِ وقت (غیاث الدین بلبن) اس کے زمانے میں دلّی آتے تو بہت خوشی کا اظہار کرتا (بادشاہ) اور خدا کا شکر بجالاتا۔ ہر ایک کے لیے ایک الگ محلّے کا تعین کرتا۔ چناں چہ دلّی میں پندرہ محلّے آباد ہو گئے تھے۔ پہلا محلّہ عبّاسی، دوسرا محلہ سنجری، تیسرا محلہ خوارزم شاہی، چوتھا محلّہ دیلمی، پانچواں محلّہ علوی، چھٹا محلہ اتابکی، ساتواں محلہ غوری، آٹھواں محلّہ چنگیزی، نواں محلّہ رومی، دسواں محلہ سنقری، گیارھواں محلہ یمنی، بارھواں محلہ موصلی، تیرھواں محلّہ سمرقندی، چودھواں محلہ کاشغری اور پندرھواں محلّہ خطائی۔

(ص ۱۳۱)

دارالامان

غیاث الدین بلبن .... ۶۸۵ ہجری (مطابق ۸۶-۱۲۸۷ء) کے اواخر میں اس جہانِ پرشور و شین کو چھوڑ گیا اور دارالامان میں دفن ہوا۔

(ص ۱۳۵)

کیلوکھڑی کے محل کی تعمیر

سلطان معزالدین کیقباد نے کیلوکھڑی میں دریائے جمنا کے کنارے بہت شان دار محل اور شاہانہ انداز کا عالی شان باغ بنایا اور اسے دارالسلطنت بنا دیا۔

(ص ۱۴۶)

کیلوکھڑی میں شہرِ نو

جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے کیلوکھڑی کے محل میں سکونت اختیار کی اور معزالدین کیقباد کی نامکمل عمارتوں کو مکمل کیا۔ دریائے جمنا کے کنارے نیا باغ بنایا۔ چونے اور پتھر سے فصیل

تعمیر کی اور اپنے دربار کے امرا و رؤسا کو بہت تاکید کی کہ وہ وہاں عمارتیں بنائیں۔ مسجد اور بازار کی بنیاد رکھی، اور اس شہر کو "شہرِ نو" کے نام سے موسوم کیا۔ لیکن جب رفتہ رفتہ دلّی ویران ہونے لگی تو "شہرِ نو" "دلّی نو" کے نام سے موسوم ہو گیا۔

(ص ۱۵۴)

کوشک لعل

(جلال الدین خلجی) پھر وہاں سے اس کوشک لعل میں گیا جو سلطان غیاث الدین بلبن کا خاص محل تھا۔ جلال الدّین خلجی کا خاص محل تھا۔ جلال الدّین خلجی رسمِ قدیم کے مطابق گھوڑے سے اُتر گیا۔ ملک احمد حبیب نے عرض کیا کہ یہ کوشک آپ ہی کا ہے۔ پھر کیوں گھوڑے سے اُتر گئے۔ سلطان نے فرمایا کہ ہر حال میں اپنے ولیِ نعمت کی عزّت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ملک احمد حبیب نے کہا کہ اس عمارت میں، جو "دار الامارۃ" ہے اس میں آپ کو سکونت اختیار کرنی چاہیے۔ سلطان نے جواب دیا کہ غیاث الدین بلبن نے اپنی خانی (غالباً وزارت) کے زمانے میں خود بنایا تھا۔ اب اس محل کی مالک اس کی اولاد ہے، میرا اس پر کوئی حق نہیں۔ احمد حبیب نے کہا کہ ملکی معاملات میں اس قدر تقید کی گنجائش نہیں ہوتی۔ سلطان نے فرمایا میں چند روزہ مصلحت کے لیے اسلام کے قواعد سے باہر کیوں جاؤں اور کیوں ایسا کام کروں جو نفسُ الاَمر کے خلاف ہے۔

(ص ۱۵۵)

سیدّی مولا کی خانقاہ

سیدّی مولا جب دلّی آ گئے تو یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور ایک بہت بڑی خانقاہ تعمیر کی۔

(ص ۱۶۱)

مغل پورہ (بستی نظام الدّین)

چنگیز خاں کا نواسہ الغوخاں نے بہت بڑی فوج کے ساتھ دلّی پر حملہ کیا تھا۔ سلطان جلال الدین خلجی کی فوج نے منگولوں کا ڈٹ کر ایسا مقابلہ کیا کہ بڑی تعداد میں مغل مارے گئے۔ الغو خاں چار ہزار مغل عورتوں اور بچّوں کے ساتھ سلطان جلال الدین خلجی کی پناہ میں آ گیا۔ الغوخاں اور ان تمام مغل امرا کو کہ جو نو مسلم مشہور ہو گئے تھے، غیاث پور کے پاس کہ جہاں شیخ نظام الدّین اولیا قدس سرہٗ کا مقبرہ ہے۔ ان لوگوں نے عالی شان عمارتیں اور گھر بنائے اور اس جگہ کا نام مغل پورہ رکھا۔

(ص ۱۶۴)

قصرِ ہزار ستون ــ حصارِ دلّی

علاؤ الدین خلجی نے سیری کو دار السلطنت بنا کر قصرِ ہزار ستون، دیگر عمارتیں بنائیں اور دلّی کی فصیل کو دوبارہ تعمیر کیا اور جس طرف سے مغل آتے تھے، اس طرف کی فصیل کو اور زیادہ مضبوط بنایا۔

(ص ۱۹۵)

علاؤ الدّین خلجی کے عہد کی عمارتیں

کہتے ہیں کہ جس قدر فتوحات (علاؤ الدین خلجی) کو نصیب ہوئیں کسی اور بادشاہ کو حاصل نہیں ہوئیں اور جتنی مسجدیں، خانقاہیں، حوض، مینار، حصار اس کے عہد میں بنے کسی اور بادشاہ کے زمانے میں نہیں بنے۔ جتنے اہلِ ہنر اس کے عہد میں تھے کسی اور عہد میں دیکھنے میں نہیں آئے۔

(ص ۲۱۲)

قلعۂ تغلق آباد

سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کو عمارتیں بنانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے تغلق آباد اور دوسری عمارتیں تعمیر کیں۔

ص ۲۳۲

افغان پور کا قلعہ

الغ خاں (محمد تغلق شاہ) نے جب سنا کہ اس کا باپ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ دلّی پہنچ رہا ہے تو اس نے تین دن کے اندر اندر افغان پور کے پاس ایک محل تعمیر کیا تاکہ جب باپ وہاں پہنچے تو رات کو وہاں قیام کرے اور صبح کو اس وقت شہر میں داخل ہو جب شہر کو سجایا جا چکا ہو اور تمام اسبابِ سلطنت مہیا ہوں۔

جب بادشاہ وہاں پر پہنچا تو اسے عمارت کی تعمیر کا سبب بتایا (بادشاہ نے) وہاں نزول کیا۔ تغلق آباد میں خوشی اور جشن کا سامان فراہم کیا اور قبّے بنائے۔ دوسرے دن الغ خاں (سلطان محمد تغلق شاہ) اور تمام امرا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف یاب ہوئے، جو لوگ اس کے استقبال کے لیے آئے تھے ان کی ساتھ اس محل میں بیٹھ کر کھانا کھانے میں مشغول ہوا۔ جب کھانا ختم ہو گیا تو لوگ سمجھے کہ بادشاہ اسی وقت سوار ہوگا اس لیے ہاتھ دھوئے بغیر باہر آگئے۔ چوں کہ الغ خاں کی موت ابھی نہیں آئی تھی اس لیے وہ تو ہاتھی، گھوڑے اور دوسرے نذرانے جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا پیش کرنے کے لیے باہر آگیا اس دوران میں عمارت کی چھت گر پڑی۔ بادشاہ پانچ آدمیوں سمیت اس کے نیچے دب کر خدا کو پیارا ہو گیا۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ چوں کہ محل نیا نیا تھا اور ابھی تازہ تھا، اس لیے ہاتھیوں کے دوڑنے کی دھمک سے گر پڑا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اس قسم کی عمارت کا بنانا ضروری نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الغ خاں نے اپنے باپ کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

ضیا الدین برنی، جو فیروز شاہ بادشاہ کے عہد میں تھا اور بادشاہ فیروز کو سلطان محمد
سے بہت عقیدت تھی۔ ممکن ہے کہ اس کے خیال سے ضیاالدین برنی نے یہ عبارت نہ لکھی
ہو، اور اربابِ بصیرت کے دلوں پر یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ حکایت قابلِ یقین نہیں ہے،
کیوں کہ الغ خاں باپ کے ساتھ دستر خوان پر حاضر تھا۔ یہ کرامت کیسے ممکن ہے کہ اس
(الغ خاں) کے باہر آتے ہی چھت گر جائے۔ صدر جہاں گجراتی کا بیان ان میں سب سے زیادہ
رنگین ہے۔ اس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ الغ خاں کی یہ عمارت طلسماتی تھی اور جب طلسم
ٹوٹا تو چھت گر پڑی۔ حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب سلطان (سلطان
غیاث الدین تغلق) ہاتھ دھو رہا تھا تو آسمان سے بجلی گری جس کی وجہ سے چھت گر پڑی۔

(ص ۲۳۵)

فیروز آباد

(فیروز شاہ تغلق) نے ۷۵۵ ہجری (مطابق ۱۳۵۴ء) میں دلّی کے قریب جمنا کے کنارے
فیروز آباد کے نام سے ایک شہر آباد کیا۔

(ص ۲۶۲)

فیروز شاہ تغلق نے پُرانے بادشاہوں کی عمارتوں کی مرمّت کرائی

معدلت آثار (فیروز شاہ) فیروز آباد کی جامع مسجد کا گنبد شان دار اور ہشت پہل ہے۔ معدلت
آثار (فیروز شاہ) نے اس کے ہر پہلو پر اپنی "تاریخ فیروز شاہی" جو اس کے واقعات پر
مشتمل اور آٹھ فصلوں پر مبنی ہے، پتھروں پر کندہ کرائے ہیں .... (ان میں سے
ایک پر لکھا ہوا تھا کہ پُرانے زمانے کے بادشاہوں کی عمارتیں، مسجدیں، خانقاہیں، مدرسے،
کنویں، حوض، پل اور مقبرے کہ جو خستہ حالت میں تھے، میں نے ان کی از سرِ نو تعمیر کی۔

ص ۲۶۹

فیروز شاہ تغلق کی عمارتیں

"تاریخ فیروز شاہی" میں اپنی بنائی عمارتوں کا فیروز شاہ تغلق نے جو ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

پچاس بند جوے، چالیس مسجدیں، تیس مدرسے، سو محل، پانچ دار الشفا، سو مقبرے، دس حمام، ایک سو پچاس کنویں، سو پل اور بے شمار باغات۔ ہر ایک کے لیے وقف نامے لکھے اور موقوفات تعین کیے۔

(ص ص ۲۷۲ - ۲۷۳)

سلطان ناصر الدین محمد شاہ کا مزار

سلطان ناصر الدین محمد شاہ، محمد آباد جالیسر میں تھا تو اس کی بیماری نے زور پکڑا۔ دن بہ دن کمزور ہوتا چلا گیا اور اس کی جسمانی قوت ختم ہو گئی۔ یہاں تک کہ ۱۷ ربیع الاول کو اس کا انتقال ہو گیا۔ لاش دلی لائی گئی اور حوض خاص کے قریب باپ کے پہلو میں اسے دفن کر دیا گیا۔

(ص ۲۷۸)

سکندر شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ کا مزار

سکندر شاہ کا انتقال ہوا تو وہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح حوض خاص کے کنارے مدفون ہوا۔

(ص ۲۸۹)

شہر مبارک آباد

سلطان مبارک شاہ نے ۱۷ ربیع الاول ۸۳۷ ہجری (مطابق ۱۴۳۳ء) کو جمنا کے کنارے ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اسے مبارک آباد کے نام سے موسوم کیا۔

(ص ۳۰۸)

قلعۂ دین پناہ

جنّت آشیانی (نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ) نے احتیاط کے طور پر دلّی میں دریائے جمنا کے کنارے ایک بہت مضبوط قلعہ تعمیر کیا اور "دین پناہ" اس کا نام رکھا۔ (قلعے کے) مکمل ہونے پر اسے معتبر لوگوں کے حوالے کر کے گجرات کے علاقے میں واقع سارنگ پور کے لیے روانہ ہو گیا۔

(ص ۳۹۹)

دین پناہ کے گرد فصیل

سلیم شاہ (شیر شاہ سوری کا لڑکا) نئی دلّی کی طرف متوجہ ہوا اور حکم دیا کہ اس شہر کے چاروں طرف، جس میں ہمایوں بادشاہ نے قلعہ بنایا تھا، چونے اور پتھر کی فصیل بنائی جائے۔

(ص ۴۳۳)

ہمایوں کا کتب خانہ

۷ ربیع الاوّل ۹۶۳ ہجری (مطابق ۱۵۵۶ء) میں سورج ڈوبنے کے وقت جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) کتاب خانے کے کوٹھے پر بر آمد ہو کر بیٹھے۔ اچانک مؤذن نے مغرب کی اذان دینی شروع کی۔ آں حضرت (ہمایوں بادشاہ) اذان کی تعظیم کے طور پر دوسری سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ اُٹھتے وقت چاہا کہ عصا پر زور دے کر کھڑے ہوں۔ عصا لڑ کر بغل سے نکل گیا اور بادشاہ زینے سے لڑھک کر زمین پر آ رہے۔ ...... ماہ مذکور کی گیارھویں تاریخ کو مغرب کے وقت ان کا انتقال ہو گیا۔

(ص ۳۵۹)

تاریخِ فرشتہ

جلد دوم

لڑکا

حوض شمسی

مدت سے شمس الدین التمش کا ارادہ تھا کہ دلّی کے قریب ایک حوض بنائے تاکہ لوگوں پانی کی قلت سے نجات حاصل ہو سکے۔ اتفاق سے ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھوڑے پر سوار ایک جگہ پر کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے شمس الدین! اگر حوض بنانا چاہتا ہے تو ایسی جگہ پر بنا جہاں میں کھڑا ہوں۔ بے انتہا خوشی سے جب شمس الدین التمش کی آنکھ کھلی تو اس نے اس جگہ کو ذہن نشین کیا جس کی طرف جناب رسالت پناہ نے اشارہ فرمایا تھا۔ اس نے کسی کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میں نے خواب دیکھا ہے، اجازت ہو تو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کروں۔ چوں کہ یہ بات خواجہؒ پر پہلے منکشف ہو چکی تھی۔ انھوں نے جواب دیا کہ جس جگہ پر آں حضرت نے حوض بنانے کا اشارہ فرمایا ہے، میں وہیں جا رہا ہوں اور تم جتنی جلد آ جاؤ بہتر ہے۔ شمس الدین التمش خواجہ کا جواب سُن کر فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور تیزی سے خواجہ کے گھر کی طرف روانہ ہوا تاکہ ان سے مل کر مقصد حاصل کر سکے۔ جب خادموں

نے شمس الدین کو یہ بتایا کہ خواجہ صاحبؒ فلاں موضع میں ہیں تو التمش تیزی سے روانہ ہو گیا اور دیکھا کہ اس مقام پر خواجہؒ نماز میں مشغول ہیں۔ جب وہ نماز پڑھ چکے تو التمش ان کے سامنے گیا اور دست بوسی سے شرف یاب ہوا۔ کہتے ہیں کہ جہاں شمس الدین نے آں حضرتؐ کو سوار دیکھا تھا، وہاں آں حضرتؐ کے گھوڑے کے سُم کا نشان موجود تھا اور کچھ ہی دیر بعد اس نشان سے پانی نکلنے لگا۔ اس جگہ پر حوض بنایا گیا اور گھوڑے کے سُم کے نشان پر صفہ اور ایک گنبد تعمیر کیا گیا۔ انھی دنوں اس حوض میں ایک چشمہ بھی پھوٹ نکلا جو آج تک خشک نہیں ہوا۔ اکثر باغ اُس چشمے سے سیراب کیے جاتے تھے۔ امیر خسروؒ نے اپنی مثنوی "قِران السعدین" میں اس حوض اور چشمے کی تعریف کی ہے۔

(ص ص ۳۸۱-۳۸۲)

غیاث پور میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کا مزار

سلطان الاولیا حضرت نظام الدینؒ غیاث پور میں جو اَب نئی دلّی کے محلّوں میں سے ایک ہے، مدفون ہوئے۔

(ص ۳۹۸)

حضرت امیر خسروؒ کا مزار

شیخ نظام الدین اولیا کی وفات کے چھے مہینے بعد جمعے کی رات کو ۲۹ ویں ذیقعدہ ۷۲۵ ہجری (مطابق ۲۴-۱۳۲۵ء) کو امیر خسروؒ کا انتقال ہو گیا اور اسی خطیرے میں اپنے مرشد کی قبر کے پائیں میں مدفون ہوئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ نے بار بار یہ فرمایا تھا کہ امیر خسرو میرے بعد زندہ نہیں رہے گا۔ جب وہ رحلت کرے تو اسے میرے پہلو میں دفن کریں کہ وہ میرا صاحبِ اسرار ہے اور میں اس کے بغیر جنّت میں قدم نہیں رکھوں گا۔ اگر ایک قبر میں دو (لاشوں) کو دفن کرنا جائز ہوتا تو میں وصیّت کرتا کہ اُسے میری قبر میں دفن کریں تاکہ دونوں ساتھ رہیں۔ غرض یہ کہ جب امیر خسروؒ کا انتقال ہوا تو لوگ چاہتے تھے کہ شیخ کی وصیّت

کے مطابق امیر خسروؒ کو ان کے مقبرے کے گنبد میں اور ان کے پہلو میں دفن کریں۔ ان دنوں ایک خواجہ سرا تھا جو منصبِ وزارت پر فائز تھا اور شیخ کا مُرید بھی تھا۔ وہ مانع آیا۔ (اس کا کہنا تھا) کہ شیخ کے بعض مُریدوں کو شیخ اور امیر خسروؒ کے مزاروں میں اشتباہ پیدا ہوگا۔ اس واسطے انھیں شیخ کے پائیں میں چبوترۂ یاران پر دفن کیا گیا۔

(ص ۴۰۳)

مآثر الامرا

(جلد اوّل)

صمصام الدولہ شہنواز خاں

مُرتبّہ

مولوی عبد الرحیم اور مرزا اشرف علی

دارا شکوہ کا مزار

اس دن دارا شکوہ اور اس کے بیٹے سپہر شکوہ کو ہتھنی کے پر کھُلے حوض پر، بٹھا کر پرانی دلّی کے شہر اور بازار میں نکالا گیا اور پھر خضر آباد میں ایک محفوظ جگہ قید میں ڈال دیا گیا۔ دوسرے دن ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ ہجری (مطابق ۱۶۵۹ء) کو انھیں قتل کر کے ہمایوں کے مقبرے میں دفن کر دیا گیا۔

(جلد اوّل، ص ۸۰۱)

شاہ جہاں آباد اور لال قلعہ

شاہ جہاں بادشاہ نے دریائے جمنا کے کنارے ایک شہر آباد کرنے کا عزم کیا۔ فنِ تعمیر کے ماہرین نے بہت تلاش و جستجو کے بعد ایسا قطعۂ زمین پسند کیا، جو دارالملک دلّی میں اور نور گڑھ اور بستی (پرانی دلّی) کے آغاز کے بیچ میں ہے۔ ۲۵ر ذی الحجہ بارھویں سال جلوس ۱۰۴۸ ہجری (مطابق ۳۹-۱۶۳۸ء) کو بنیاد (جس کے نشان بادشاہ کے سامنے مقرر کر دیے گئے تھے) رکھی گئی۔ عبداللہ خاں فیروز جنگ دلّی کا ناظم تھا۔ اس کے بھتیجے غیرت خاں کی نگرانی میں بنیادیں کھُدنی شروع ہوگئیں۔ ۹ر محرم ۱۰۴۸ ہجری (مطابق ۲ر مئی ۱۶۳۹ء) کو اس عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔ بادشاہ کے ممالک محروسہ میں جہاں کہیں سنگ تراش سادہ کار اور پرچین گر، معمار اور بڑھئی جیسے صنعت گر جہاں تھے، بادشاہ کے حکم سے آگئے اور بہت سے دوسرے کاریگروں کے ساتھ کام میں مشغول ہو گئے۔ ابھی تھوڑا ہی مسالہ جمع ہوا تھا اور ابھی پوری طرح سے بنیادیں نہیں رکھی گئی تھیں کہ غیرت خاں ٹھٹھے کا صوبے دار ہو کر چلا گیا — علی وردی خاں صوبۂ دلّی کا گورنر مقرر ہوا اور عمارتوں کی تعمیر کا کام اس کو تفویض کر دیا گیا۔ وہ دو سال اور چند روز اس کام پر متعین رہا۔ دریا کی طرف سے قلعے کی دس گز اونچی بنیادیں اُٹھ چکی تھیں۔ اس کے بعد (دلّی) صوبے کی صوبے داری، عمارتوں کی تاسیس اور تعمیر کا کام مکرمت خاں کے سپرد کیا گیا۔ مکرمت خاں بادشاہ کی خدمت میں میر سامانی کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے بہت کوشش اور جدوجہد کی۔ یہاں تک کہ بیسویں سال جلوس میں یہ گردوں بنا قلعہ دوسری فردوس آئین عمارتوں کے ساتھ تیار ہو گیا۔ اس (قلعے) کے ہر گوشے میں محل اور ایوان ہیں اور ہر کونے میں باغ اور تالاب۔ بغیر کسی تکلّف اور مبالغے کے یہ نگار خانۂ چین ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ (نگار خانۂ چیں) نقشِ اوّل ہے اور یہ نقشِ دوم۔

درو آں قدر بُردہ صنعت بکار

کہ خود نیز محو است صنعت نگار

امیر خسروؔ کی غیب دانی ہے کہ انھوں نے زمانۂ سابق میں دلّی کی مدح میں جو کچھ کہا تھا وہ

آج کے زمانے میں بھی کام آیا۔

بیت

اگر فردوس بر روے زمیں است

ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

۹ سال تین مہینے اور چند روز کی مدّت میں چھے لاکھ روپے کے خرچ سے (یہ قلعہ) تعمیر ہوا۔

یہ عالی شان قلعہ ہشت پہلو ہے اور بغدادی طرز پر تعمیر ہوا ہے۔ ایک ہزار بادشاہی گز لمبا اور چھے سو ذراع (ہاتھ) چوڑا ہے۔ اس کی دیواریں اُس لال پتھر سے بنی ہیں جو فتح پور سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس کی اونچائی زمین سے لے کر کنگروں تک پچیس ذراع (ہاتھ) اور یہ چھے لاکھ گز مربع ہے جو مستقر الخلافہ اکبرآباد کے قلعے سے دوگنا ہے اور اس کا محیط تین ہزار تین سو ذراع (ہاتھ) ہے۔ اس کے ۲۱ بُرج ہیں۔ ۷ گول اور ۱۴ ہشت پہلو ہیں۔ چار دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں۔ (قلعے) کے ساتھ خندق ہے جو چوبیس گز چوڑی اور دس گز گہری ہے۔ (یہ خندق) نہر کے پانی سے بھری ہوئی ہے۔ دونوں طرف سے (یہ نہر) جمنا سے ملی ہوئی ہے۔ قلعے کے مشرقی حصّے میں خندق نہیں ہے۔ کیوں کہ اس طرف کی دیوار جمنا سے ملی ہوئی ہے۔ ۲۱ لاکھ روپے میں یہ قلعہ تعمیر ہوا ہے۔

شاہ محل میں بادشاہ کی آرام گاہ کی چھتیں چاندی کی ہیں اور امتیاز محل جو آرام گاہ کے نام سے مشہور ہے اور جس کو بُرجِ طلا کہتے ہیں اور دولت خانۂ خاص و عام ہے اور باغِ حیات بخش (وغیرہ) پر اٹھائیس لاکھ روپے خرچ ہوئے۔ بیگم صاحب کا محل اور دوسرے اہل حرم کے مکانوں کی تعمیر پر سات لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ قلعے کے اندر بادشاہی کارخانہ جات کے لیے قلعہ گردوں عظمت میں جو بازار اور چوکیاں تعمیر ہوئیں۔ ان پر چار لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔

(جلد سوم، ص ص ۴۶۲-۴۶۵)

دلّی کی نہر

سلطان فیروز خلجی نے اپنے عہدِ حکومت میں پرگنہ خضر آباد میں دریائے جمنا سے ایک نہر کاٹی تھی۔ اسے تیس کوس بادشاہی (کے فاصلے) پر لاکر پرگنۂ سفیدوں تک پہنچایا۔ (یہ پرگنہ) اس کی شکارگاہ تھی اور کھیتی کے لیے یہاں پر پانی کم تھا۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ یہ نہر مٹی سے اَٹ گئی اور اس میں پانی بہنا بند ہوگیا۔ عرش آشیانی (اکبر بادشاہ) کے زمانے میں دلّی کے صوبے دار شہاب الدّین احمد خاں نے کھیتی باڑی کی ترقّی اور آبادی میں اضافے کے لیے نہر کی مرمّت کرا کے اس میں پانی جاری کرایا، اور یہ نہر "شہاب نہر" کے نام سے موسوم ہوگئی۔ جب اس (شہاب الدین) کا انتقال ہوگیا تو پھر اس نہر کی مرمّت اور تعمیر نہیں ہوئی اور اس میں پانی بہنا دوبارہ بند ہوگیا۔ اس زمانے میں، جب اس قلعے کے بنانے پر بادشاہ (شاہ جہاں) کی توجّہ مبذول ہوئی تو حکم ہوا کہ خضر آباد سے سفیدوں تک یعنی جہاں سے نہر شروع ہوکر ختم ہوتی تھی مرمّت کرائی جائے۔ سفیدوں سے قلعے تک بھی تیس کروہ بادشاہی کا فاصلہ ہے۔ (حکم دیا) کہ نئی نہر کھودی جائے، تیار ہونے کے بعد اس کا نام "نہر بہشت" رکھا گیا۔ محلوں میں پانی سے بھرے ہوئے حوض اور اونچے اونچے پانی پھینکتے ہوئے فوّارے عجیب منظر پیش کرتے تھے۔

(جلد سوم، ص ص ۳۶۵ - ۳۶۶)

لال قلعے کی آرائش

۲۴ ربیع الاوّل ۱۰۵۸ ہجری (مطابق ۸ اپریل ۱۶۴۸ء) اکیسویں سال جلوس شاہ جہانی میں نجومیوں نے یہ دن مقرّر کیا تھا کہ بادشاہ قلعے میں نزول فرمائیں (اس دن) جشن اور عشرت کا ساز و سامان فراہم کیا گیا اور تمام خاص عمارتوں کو طرح طرح کے نفیس فرش سے آراستہ کیا گیا۔ کشمیر اور لاہور سے ہر محل کے لیے بہت ہی نفیس و لطیف پشم شال کے بنے ہوئے فرش سے آراستہ کیے گئے۔ کمروں اور ایوانوں پر سنہری،

روپہلے، کلابتّوں کے بنے ہوئے اور مخمل زربفت کے تیار کیے ہوئے وہ پردے لٹکائے گئے جو نادراتِ روزگار میں سے تھے اور جنھیں گجرات کے ہُنرمندوں نے بنایا تھا۔ ہر کمرے میں ایک طلائی مینا کار منبت اور سادہ کام کا تخت رکھا تھا اور ہر جگہ مسند تھی جس پر ایسے گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے جن کے غلافوں پر موتی ٹنکے ہوئے تھے اور سنہری مسند پوش ان پر بچھے ہوئے تھے۔ دیوانِ خاص و دیوانِ عام کے تین طرف روپہلی جالیاں اور جھروکوں کے سامنے سنہری جالیاں آراستہ تھیں۔ اس سونے کے بنے ہوئے محل کے ہر طاق میں سونے کی زنجیریں لٹکی ہوئی تھیں کہ جنھیں دیکھ کر آسمان بھی چکّر میں تھا۔ اس ایوان کے بیچ و بیچ ایک چوکور تخت گاہ بنائی گئی تھی، جس کو چاروں طرف سے سنہری جالیوں سے آرائش دی گئی تھی۔ اس کے اوپر ایک تختِ فلک نظیر رکھا ہوا تھا کہ جو دنیا کو روشن کرنے والے سُورج کو روشنی دے رہا تھا۔ تخت کے سامنے ایک زر نگار شامیانہ کھڑا تھا، جسے مُروارید کی ڈوریوں سے سجایا گیا تھا اور تخت کے دونوں طرف دو مُرصّع چتر تھے جن پر مروارید کی ڈوریاں لٹکی ہوئی تھیں اور تخت کے دوسری طرف ہشت پہلو منبت نصب کیے گئے ہیں۔ تخت گاہ کے پیچھے مُرصّع اور مطلا چھوٹی چھوٹی چوکیاں بچھی ہوئی تھیں، جن پر اسلحہ رکھے ہوئے تھے۔ ان اسلحہ میں جواہر سے جڑی ہوئی تلواریں، جن کے دستے مرصّع تھے اور مُرصّع ترکش ساز و سامان کے ساتھ، اور مُرصّع نیزے بہت سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ اس ایوانِ سحر بنیان کی چھتیں، ستون، دروازے اور دیواریں اور وہ محل جو دیوانِ خاص اور دیوانِ عام کے چاروں طرف سے زر دوزی سائبانوں، فرنگی اور چینی زر نگار پردوں اور گجرات کے سونے اور چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے مخمل، زربفت اور نقرئی باف اور بادلہ اور کلابتّوں کی ڈوریوں سے سجایا گیا تھا۔ اس عظیم الشان ایوان کے سامنے مخمل، زربفت کے شامیانے، روپہلی بلّیوں پر کھڑے تھے۔ بارگاہ کے نیچے رنگین فرش بچھایا گیا تھا اور اس کے چاروں طرف چاندی کی جالیاں نصب کی گئی تھیں۔ جس شامیانے کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ بلندی و وسعت میں آسمان کی طرح تھا۔
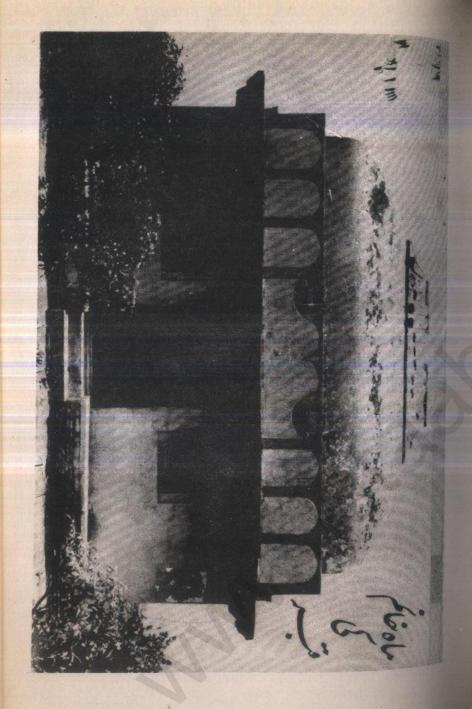
(یہ شامیانہ بادشاہ کے حکم سے احمد آباد کے سرکاری کارخانے میں بنا تھا۔ ایک لاکھ روپیہ اس پر صرف ہوا اور تیاری میں کافی وقت لگا۔ اس کی لمبائی ستر ذرعہ پادشاہی (بادشاہی ہاتھ ہے اور عرض پینتالیس ہاتھ (یہ شامیانہ) چاندی کے چودہ ستونوں پر کھڑا تھا۔ ان میں سے ہر ستون سوا دو گز گول اور بائیس گز اونچا ہے اور تین ہزار دو سو گز کو محیط کرتا تھا۔ دس ہزار آدمی اس میں کھڑے ہو سکتے تھے اور تین ہزار فراش اور دوسرے لوگ مل کر جرِ ثقیل کی مدد سے ایک مہینے میں اسے کھڑا کرتے تھے اور یہ خاص و عام کی زبان میں دل بادل کے نام سے مشہور تھا.....

.... یحیٰی کاشی نے اس عظیم الشان (قلعے) کی تاریخِ اختتام اس طرح نکالی:

"شد شاہ جہاں آباد از شاہ جہاں' آباد"

اور ایک ہزار روپیہ صلہ پایا۔

(جلد سوم، ص ص ۴۶۶-۴۶۹)

قلعے کے آس پاس کی عمارتیں

جب شاہ جہاں آباد کے قلعۂ مبارک کی تعمیر مکمل ہو گئی تو تمام شہزادۂ عالی شان اور امرائے عالی نشان نے قلعے کے دائیں بائیں اور جمنا کے کنارے بڑے وسیع اور بے مثل محل بنانے شروع کیے۔ ان عالی شان عمارتوں پر اکیس لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہوگا۔ عوام، اکابر اور امرا نے اپنے مرتبوں اور اپنی مالی حالت کے مطابق ایسے مکان بنوائے کہ جن سے ان کے ذوق اور سلیقے کا پتہ چلتا ہے.....

(جلد سوم، ص ۴۷۰)

شہر کی فصیل

چوں کہ نئے شہر کی فصیل مٹی اور پتھر سے بنائی گئی تھی۔ اس لیے بارشوں میں جگہ جگہ

سے گرگئی۔ ۲۶ ویں سال جلوس شاہ جہانی میں پتھر اور چونے سے (دوبارہ) یہ فصیل بہت مضبوط بنانی شروع ہوئی اور تیسویں سالِ جلوسِ شاہ جہانی میں اس کی تعمیر مکمّل ہوئی۔ یہ چھے ہزار تین سو چونسٹھ ذراع (ہاتھ) لمبی ہے۔ اس پر ستائیس بُرج ہیں۔ اور گیارہ دروازے ہیں۔ ان میں دو دروازے بڑے ہیں کہ جن کی چوڑائی چار ذراع (ہاتھ) اور کنگروں تک ان کی اونچائی ۹ ذراع (ہاتھ) ہے۔ اس کی تعمیر پر چار لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے۔ لاہور کی طرف کے راستے کی چوڑائی چالیس ذراع اور لمبائی ایک ایک ہزار پانچ سو بیس گز ہے اور بادشاہ کے حکم سے وہاں رہنے والوں نے اس راستے پر ایک ہزار پانچ سو ساٹھ حجرے اور مطبوع اور دل پسند محل بنوائے ہیں۔

(ص ۱۷۴)

چاندنی چوک

بادشاہی اصطبل کے پاس سے بازار شروع ہوتا ہے۔ یہ اصطبل قلعے کی بنیاد کی دیوار سے دو سو پچاس ذراع کے فاصلے پر ہے اور چوک اسّی گز چوڑا اور اسّی گز لمبا ہے۔ کوتوالی چبوترہ چار سُو اسّی گز کے فاصلے پر ہے اور وہاں سے دوسرا چوک جو ہشت پہلو ہے اور بغدادی طرز پر بنا ہوا ہے سو گز چوڑا ہے۔ اتنے ہی طول و عرض کا بازار ہے اس چوک کے شمال میں ایک دو منزلہ سرائے ہے جو بیگم صاحب نے بنائی ہے۔ اس سرائے کا ایک دروازہ بازار کی طرف اور دوسرا باغ کی طرف ہے۔ اس سرائے کو (صاحب آباد) کہتے ہیں۔ جس میں حقیقتاً تین باغ ہیں جو نو سو بہتّر ذراع لمبے ہیں۔ ان میں سے ایک باغ مکرمت خاں نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور بادشاہ نے ملکۂ دوراں کو عنایت فرما دیا تھا۔ بازار مذکور کے جنوب کی طرف ایک حمام ہے جو بہت پاکیزگی اور لطافت کے ساتھ ملکۂ زماں کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ اِس سرائے اور چوک سے اُس سرائے اور چوک فتح پوری محل تک پانچ سو ساٹھ گز کا فاصلہ ہے اور اکبر آباد کی طرف کے بازار کا راستہ لمبائی میں ایک ہزار پچاس ذراع اور چوڑائی میں

تیس ذراع ہے۔ اس بازار کے دونوں طرف بہت خوب صورت اور پاکیزہ آٹھ سو اٹھاسی حجرے اور مکان بنے ہوئے ہیں۔ بازار کے شروع میں قلعے کے دروازے کے سامنے جنوب کی طرف ایک عالی شان مسجد، اکبرآبادی محل کی بنوائی ہوئی ہے۔

(جلد سوم، ص ص ۴۷۲-۴۷۳)

جامع مسجد

اِس شہر کی جامع مسجد، کہ جو مسجد جہاں نُما کے نام سے مشہور ہے، بہت خوب صُورتی اور متانت اور وسعت کے ساتھ بنائی گئی ہے۔ (یہ مسجد) قلعے کے مغرب میں ایک ہزار گز کے فاصلے پر ایک پہاڑی پر بنی ہوئی ہے۔ ۱۰ر شوال ۱۰۶۰ ہجری (مطابق ۲۶ر ستمبر ۱۶۵۰ء) چھے سال کی مدّت میں دس لاکھ روپے کے خرچ سے بنی ہے۔ سعد اللہ خاں اور خلیل اللہ خاں اس کے مہتمم تھے۔

قبلۂ حاجات آمد مسجد شاہ جہاں

۱۰۶۰ ہجری

یہ عمارت کی تاریخِ تکمیل ہے۔

(جلد سوم، ص ۴۷۳)

حویلیاں اور باغ

شہزادوں اور امرا و رؤسا نے دِل فریب مکان اور طراوت افزا باغ اس طرح بنوائے ہیں کہ خیال کا گھوڑا اس کے بیان کرنے میں لنگڑا جاتا ہے تو لکڑی کا گھوڑا کیسے راستہ طے کرے......

(جلد سوم، ص ۴۷۳)

چوک سعد اللہ خاں اور روشن الدولہ کی مسجدیں

چوک سعد اللہ خاں کی مسجد اور چوک جو چاندنی چوک کے نام سے مشہور ہے (جو ظفر خاں مخاطب بہ روشن الدولہ نے بنوائی ہے) دونوں مسجدوں کے گنبد اور مینارے کہ جن پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے پر پیتل کا پترا چڑھا ہوا ہے۔ یہ دونوں گنبد خوب چمکتے ہیں۔ سُورج اور چاند کے نکلنے کے وقت ان کی روشنی سے چشمِ فلک خیرہ ہوجاتی ہے۔

(جلد سوم، ص ۴۷۳)

قدیم دلّی

قدیم دلّی ہندوستان کے بڑے اور پُرانے شہروں میں ہے۔ پہلے اس کا نام اندرپت تھا۔ اس کا طول البلد ۱۱۴ درجہ اور دقیقہ ۳۸ ہے، اور اس کا عرض البلد ۲۸ درجہ اور دقیقہ ۱۵ ہے۔ اگرچہ بعض لوگ اس کو دوسری اقلیم میں شمار کرتے ہیں، لیکن وہ ہے تیسری اقلیم میں۔

سلطان قطب الدین اور سلطان شمس الدین (دونوں) قلعہ رائے پتھورا میں رہتے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک اور قلعہ بنایا اور اس کا نام مرزغن رکھا) اس کو (مرزغن) قبرستان سمجھا۔

معز الدین کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارے ایک شہر تعمیر کیا جسے کیلوکھڑی کہتے ہیں۔ امیر خسرو نے "قران السعدین" میں اس شہر کی تعریف کی ہے۔

بیت

وی دہلی وی بُتانِ دہلی

پگ بستۂ و چہرہ کج نہاد

ہمایوں کا مقبرہ اسی شہر میں ہے۔ سلطان علاء الدین نے ایک اور شہر بسایا، اُسے سیری کہتے ہیں۔ اس کے بعد تغلق شاہ نے تغلق آباد بنایا۔ اس کے بعد سلطان محمد نے ایک نیا شہر اور دل کش عمارتیں تعمیر کیں۔ سلطان فیروز نے اپنے نام پر ایک بڑا شہر آباد کیا، اور دریاے جمنا کو کاٹ کر (شہر کے) قریب لایا اور فیروز آباد سے تین کوس کے فاصلے پر ایک اور محل تعمیر کیا جس کا نام "جہاں نما" ہے۔ جب جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) کا عہد آیا تو اُس نے اندرپت کے قلعے کو تعمیر کیا اور "دین پناہ" اس کا نام رکھا۔ شیر شاہ سوری نے علائی کی دلّی کو اُجاڑ کر ایک اور شہر آباد کیا۔

(جلد سوم، ص ۴۷۴ - ۴۷۵)

تاریخِ فیروز شاہی

شمس سراج عفیف

مُرتّبہ

مولوی ولایت حسین

شہر فیروز آباد کا آباد کرنا

جب شاہ فیروز کو شہر حصار فیروزہ بنانے کا خیال آیا...... جس جگہ پر کہ اب شہر حصار فیروزہ آباد ہے۔ اس سے پہلے یہاں خدا کے حکم سے بڑے بڑے گاؤں آباد تھے۔ ایک "لراسِ بزرگ" اور دوسرا "لراسِ خرد" تھا۔ "لراس بزرگ" میں پچاس اور "لراس خرد" میں چالیس گھر تھے۔ اس زمین میں کوئی گاؤں ایسا نہیں تھا جس میں کھرک نہ ہو۔ جب حضرت شاہ فیروز نے "لراس بزرگ" کی حدود کی زمین دیکھی تو انھیں یہ جگہ بہت پسند آئی اور یہ ان کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے: "اگر اس جگہ پر شہر آباد کیا جائے تو کیا اچھا ہو"۔ بحکمتِ خداوندی کی وجہ سے وہ زمین ہمیشہ خشک رہتی تھی۔ بلکہ گرمی کے موسم میں جب عراق و خراسان سے مسافر اس جگہ پہنچتے تو چار جیتل میں ایک مٹکا پانی خرید تے تھے۔

یعنی اس زمین میں بے آبی کا یہ عالم تھا۔ سلطان فیروز شاہ نے اس موقعے پر یہ بھی کہا کہ "اے خدا! چوں کہ بندۂ امیدوار خدا کے بھروسے پر نیک مسلمانوں کے فائدے کے لیے شہر بنانا چاہتا ہے، اس لیے تو اپنی قدرتِ اعلیٰ سے اس زمین میں پانی پیدا کردے۔" حضرت شاہ فیروز نے اسی زمین پر پڑاؤ ڈالا اور اس کام کی کوشش شروع کر کے شہر کا سنگِ بنیاد رکھا۔ سلطان فیروز شاہ، شاہ خوش خصال کئی سال تک اپنے دربار کے خواتین و ملوک کے ساتھ اس کام میں مشغول رہا۔ پہاڑ کے پتھر نرسائی پہاڑے لائے گئے۔ پکا چونا کھور میں ملا کر ایک ایسے بڑے قلعے کی تعمیر کا آغاز کیا جس کا طول بے حد اور عرض بعید اور ارتفاع بلند تھا۔ بادشاہ کے اعوان و انصار میں سے ہر ایک کے مکان کی جگہ متعین کی گئی۔ ہر ایک شخص اس چمن میں بادشاہ کے خوف کی وجہ سے اپنے مکان کی تعمیر کی جدّو جہد میں مشغول ہو گیا۔ جب قلعہ بن گیا اور اس کام میں کافی مدّت گزر گئی تو سلطان فیروز شاہ نے الہامِ خداوندی سے اس حصار کا نام "شہر حصارِ فیروزہ" رکھا۔ حصار بننے کے بعد خندق کھودی گئی اور خندق کی تہ اور خندق کے دونوں طرف کھدائی کرنے سے جو مٹی ملی اس سے خندق کے دونوں طرف کنگرے بنا دیے گئے اور حصار میں ایک بڑا حوض اور تالاب بنایا گیا۔ اس حوض کا پانی خندق میں ڈالا گیا۔ چناں چہ برسوں اس حوض کا پانی خندق میں جاری رہا۔ قلعے میں ایک ایسا محل تعمیر کیا گیا کہ تلاش کرنے کے باوجود تمام دنیا میں اس کی مثال نہیں ملے گی۔ اس قلعے میں بہت سے محل بنائے گئے اور ان کی تعمیر میں بڑے تکلّف اور بے شمار حکمتوں سے کام لیا گیا۔ اس کوشک میں ایک حکمت یہ تھی کہ اگر کوئی شخص کسی ترکیب سے کوشک میں داخل ہو جاتا تو بہت سے محلوں سے گزر کر درمیان کے ایک محل میں آجاتا جو تنگ اور تاریک تھا اور اگر اس کوشک کے نگہبان رہبری نہ کرتے تو اس کے لیے تاریکی سے باہر آنا ممکن نہ ہوتا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک فراش اس مقام پر تنہا پہنچ گیا وہ چند روز غائب رہا۔ بعد میں وہی نگہبان وہاں گئے اور اسے اس اندھیرے سے نکال کر باہر لائے۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا کو روشن کرنے والے دیگر بادشاہوں کی طرح حضرت شاہ فیروز نے بھی یہ کوشک بڑی حکمتوں کے ساتھ

بنایا تھا۔ تمام خاندانِ عظام، ملوک اہلِ احترام، امرائے اہلِ کرام اور ہر خاص و عام نے یہاں اپنے خوب صورت اور شان دار مکان بنائے۔ جب حضرت شاہ فیروز نے .... اس زمین کی خشکی دیکھی تو ان کے دل میں خیال آیا کہ یہاں پانی پہنچانا چاہیے۔ بادشاہ نے اس کام کا خود ارادہ کیا اور کوشش کی اور پانی کی نہر کاٹ کر حصار فیروزہ میں لے آیا، یعنی دریائے جمنا سے ایک نہر تعمیر کرائی اور دوسری نہر دریائے ستلج سے لایا۔ چناں چہ دریائے جمنا سے نکلی ہوئی نہر رجیوہ اور نہر الغخانی ان دونوں کے دہانے کرنال میں ملتے تھے اور وہاں سے اسّی کروہ (کوس) کا سفر طے کر کے شہر حصار فیروزہ میں پہنچتی تھی۔ اُس زمانے میں اس مورّخ کے والد بادشاہ کے خاص لوگوں میں سے تھے اور محل میں خدمت کرتے تھے اور عہدۂ شب نویسی پر فائز تھے۔ انھوں نے اس مورّخ کو (یعنی مجھے) بتایا کہ حضرت فیروز شاہ ڈھائی سال تک شہر حصارِ فیروزہ کی تعمیر میں مصروف رہے تھے اور تمام خلق نے اس کام میں پوری طرح ان کا ساتھ دیا تھا۔ غرض کہ حضرت شاہ فیروز نے بڑی خوشی اور مسرّت کے ساتھ شہر حصار فیروزہ تعمیر کیا اور وہاں پر بہت سے باغ اور بے شمار درخت لگائے۔ چناں چہ ہر طرح کا پھل ان باغوں میں لگتا تھا۔ مثلاً سدا پھل، جھزی، نارنگ، سکندر اوّل اور اسی طرح ہر قسم کے پھول یہاں پائے جاتے تھے۔ اور گنّا بے شمار۔ نیشکر سیاہ اور پونڈا دونوں قسم کے یہاں ہوتے تھے۔ اگر کوئی دانت سے گنّا چھیلتا تو گنّا اتنا نرم ہوتا کہ نیچے تک پہنچ جاتا۔ البتّہ اس سے پہلے حصارِ فیروزہ کی زمین میں خریف کی فصل تو اچھی ہوتی تھی لیکن ربیع کی فصل اچھی نہ ہوتی تھی۔ کیوں کہ گندم بغیر پانی کے نہیں ہو سکتا۔ جب حضرت فیروز شاہ بے پایاں نہروں کے ذریعے بہت زیادہ پانی حصارِ فیروزہ کی زمین میں لے آئے تو دونوں فصلیں اچھی ہونے لگیں۔ اس سے پہلے ماضی کے بادشاہوں کے زمانوں میں اس علاقے کو سرکاری کاغذات میں "شقِ ہانسی" لکھا جاتا تھا۔ جب شہر حصار فیروزہ تعمیر ہو گیا تو سلطان فیروز نے فرمایا کہ اس دن سے "شقِ حصار فیروزہ" لکھیں۔

(ص ص ۱۲۴ - ۱۲۸)

حصار فیروزہ میں نہریں

(شہر فتح آباد اور حصار فیروزہ دونوں میں) بے شمار نہریں جاری کی گئیں اور اسّی نوّے کوس کے فاصلے سے نہروں کو ان مقامات تک پہنچایا گیا۔

(ص ۱۲۹)

شہر فیروز آباد کی تعمیر

سلطان فیروز شاہ کو شہر فیروز آباد، آباد کرنے کا خیال آیا۔ اس نے اس کی تعمیر کے سلسلے میں کوششیں شروع کیں۔ دلی کے آس پاس بہت سے مقام چوبی شہر یاران اہلِ کرام دیکھے۔ آخر کار دریائے جمنا کے کنارے موضع کاوین میں زمین پسند کی اور لکھنوتی (دوسری بار) جانے سے پہلے شہر فیروز آباد کی بنیاد رکھی۔ مقصد یہ ہے کہ موضع کاوین میں کوشک کی عمارت کا آغاز کر دیا۔ عمارت سازی کے عہدہ دار اور ماہر کاریگر اس عمارت کی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ تمام امرا اور حضرت شہنشاہ کے اعلا عہدہ داروں نے اس محل میں اپنے اپنے گھر بنائے۔ دلی شہر سے پانچ کوس کے فاصلے پر ایک بڑا شہر آباد کیا۔ کہتے ہیں کہ فیروز آباد شہر کے حدود میں اٹھارہ مواضع کی زمین شامل تھی۔ چناں چہ قصبۂ اندرپت، سرائے شیخ ملک یار پران، سرائے شیخ ابوبکر طوسی، زمین موضع کاوین، زمین کٹی واڑہ، زمین ہراوت، زمین اندھاولی، زمین سرائے ملکہ، زمین مقبرۂ سلطان رضیہ، زمین بہاری، زمین مہرولہ اور زمین سلطان پور وغیرہ۔

فیروز آباد شہر میں خدا کی رحمت سے اتنی کثرت سے آبادی ہو گئی کہ اندرپت سے لے کر کوشک شکار تک آباد ہو گیا اور قصبۂ اندرپرست سے کوشک شکار تک پانچ کوس ہے۔ ان پانچ کوسوں میں ایک کوس سے دوسرے کوس میں آبادی ہوتی گئی۔ لوگوں نے مکان بنائے اور ان پر چونے کا پلاسٹر کیا۔ ایسی بے شمار مسجدیں تعمیر کی گئیں کہ جن میں پانچوں

وقت نماز ہوتی تھی۔ لمبے لمبے بازار بنائے گئے جن میں ہر پیشے کے لوگ تھے۔ تمام رعایا سیر شکم اور فارغ البال تھی۔ آٹھ جامع مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ ایک مسجد خاص، دو مسجد خان جہاں، ان میں سے ایک دروازے کے سامنے اور دوسری حاج نگرہ میں، ایک مسجد نائب باربک، ایک مسجد ملک بحر شحنہ نقی اور ایک مسجد ملک نظام الملک، ایک جامع مسجد کوشک شکار میں اور ایک مسجد اندرپرست میں (اس طرح شہر فیروز آباد میں آٹھ جامع مسجدیں تعمیر کیں) یہ تمام مسجدیں بہت بڑی تھیں اور ان میں اتنی وسعت تھی کہ اس میں دس ہزار آدمی نماز پڑھتے تھے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ چالیس سال کی مدت تک اس شہر یار خوش خصال (فیروز شاہ تغلق) کا دورِ حکومت تھا کہ دلی اور فیروز آباد کا فاصلہ پانچ کوس رہا اور ہر روز بیشتر لوگ اپنے اپنے کاموں سے دلی سے فیروز آباد جاتے اور فیروز آباد سے دلی آتے۔ اس پانچ کوس میں لوگوں کی آمد و رفت گویا مور و ملخ کے مانند تھی۔

(ص ص ۱۳۴ - ۱۳۵)

طاس گھڑیال کی ایجاد

سلطان فیروز شاہ نے اپنے عہد میں عقل و فراست سے کام لے کر، الہام خداوندی سے مملکتِ دار الملک دلی میں جو چیز وضع کی وہ عجوبۂ زمانہ تھی۔ ان نوادرات میں سے ایک وہ تھی، جسے طاس گھڑیال کہتے تھے۔ کسی بھی صاحب دست گاہ اور مالکِ تخت گاہ بادشاہ کو یہ چیز میسر نہیں آئی۔ سلطان فیروز شاہ نے طاس گھڑیال ایجاد کر کے خراسان سے لے کر بنگالہ تک اپنی یادگار قائم کر دی ......

جب سلطان فیروز شاہ نے خدا کی مدد سے طاس گھڑیال ایجاد کیا اور اس کے ایجاد کے لیے بڑی جدّ و جہد کی، اگرچہ ظاہرہ تو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ دنیاوی فائدے کے لیے ایجاد کیا گیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں آخرت کا نفع بھی شامل ہے .....
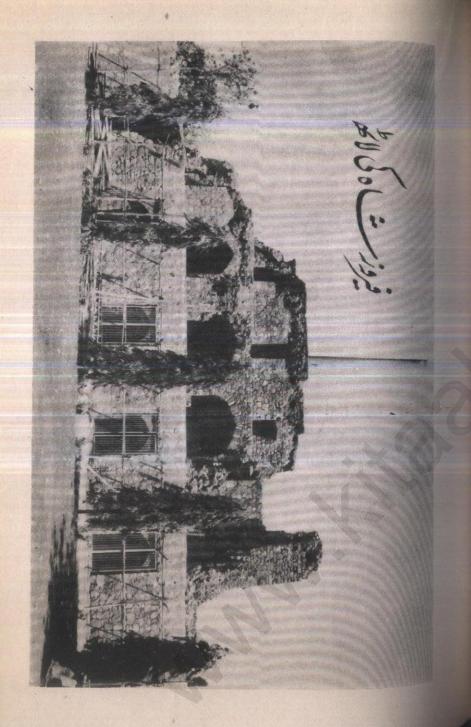
جب سلطان فیروز شاہ ٹھٹہ کی مہم سے دلّی واپس آیا تو حکومت کے کام کاج میں مصروف ہوگیا اور طاس گھڑیال کی ایجاد پر متوجہ ہوگیا۔ کچھ دن تک فیروز شاہ اور دربار کے کچھ دیگر لوگ اس کام میں لگے رہے۔ لیکن جب طاس کی آواز لوگوں کے کان میں پڑی تو ہر شخص طاس گھڑیال دیکھنے کے لیے شہر فیروز آباد آیا اور حیرت میں ڈوب گیا۔ طاس گھڑیال کوشک شہر فیروز آباد کے اوپر نصب کیا گیا تھا۔

(ص ص ۲۵۴ - ۲۶۰)

فیروز شاہ کے باغات

خدا کی عنایت سے سلطان فیروز شاہ کو باغ لگانے کا بے حد شوق تھا۔ اس نے باغ کو بڑی کوششوں سے سجایا۔ دلّی کے آس پاس ایک ہزار دو سو باغات لگائے تھے جو باغ کسی کی ملکیت یا وقف میں تھے سلطان فیروز شاہ نے اُن کی ملکیت اور وقف کو بہ دستور برقرار رکھا۔

(ص ۲۹۵)

دِلّی کے سنگین مینارے

کہا جاتا ہے کہ جب سلطان فیروز شاہ خدا کے فضل و کرم سے ٹھٹہ سے دلّی آیا تو اس نے شہر یاران شش جہات کی طرح دلّی کے آس پاس کی سیر کی اور (وہ علاقے) جنگ کرکے قبضے میں کر لیے۔ دلّی کے آس پاس مشیّتِ ایزدی سے پتھر کے دو مینارے تھے۔ ایک مینارہ سالورہ اور خضر آباد کے نواح کے موضع نویرہ میں دامن کوہ میں تھا اور دوسرا مینارہ قصبہ میرٹھ کے پاس تھا۔ یہ مینارے پانڈوں کے وقت سے ان جگہوں پر تھے۔ کسی بھی صاحبِ دستگاہ عالم پناہ بادشاہ کو جو تخت گاہِ مملکت دلّی پر بیٹھا ہو، یہ چیز میسّر نہیں

ہی تھی لیکن سلطان فیروز شاہ کے ہاتھ آگئی ۔ اس سلسلے میں (اس نے) بہت کوشش کی اور بڑی مشقّت اور بے انتہا کوشش .... سے ان میناروں کو وہاں سے (دلّی) لایا۔ ایک کو کوشک فیروز آباد میں جامع مسجد سے متصل نصب کیا اور اس کا نام منارۂ زرّیں رکھا، اور دوسرے کو بڑی کوشش اور ترکیبوں سے کوشک شکار میں نصب کیا۔ کہا جاتا تھا کہ پتّھر کے یہ منارے بھیم کی ہاتھ کی چھڑیاں تھے۔ بھیم قد و قامت میں بہت بلند تھا اور بہت طاقتور تھا۔ ....) اکثر اوقات اپنے بھائیوں کے مویشی چَرایا کرتا تھا۔ یہ منارے اُس کے ہاتھ کی وہ چھڑیاں تھے جن سے وہ بکریاں چَرَاتا تھا۔

.... جب سلطان فیروز شاہ ان دونوں میناروں کے مقامات پر پہنچا تو اُسے یہ چیزیں (منارے) عجائباتِ روزگار معلوم ہوئے۔ خدا کے حکم سے اس کے دل میں آیا کہ یہ منارے ان مقامات سے پورے اہتمام کے ساتھ دلّی لے جائے جائیں۔ شہریار جہاں دار (فیروز شاہ تغلق) نے بڑی محنت اور اپنے مصمم ارادے سے ان میناروں کو دلّی لایا اور شہر فیروز آباد اور کوشک شکار میں نصب کیا.............

ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ سالورہ اور خضر آباد کی طرف گھوڑے پر سوار پہنچا۔ وہ ایک شکار کا پیچھا کر رہا تھا......... اُس نے موضع نویرہ میں پتھر کا ایک منارہ دیکھا۔ اسے خیال آیا کہ اگر یہ عجیب و غریب منارہ دلّی پہنچ جائے تو......... ہمیشہ یادگار باقی رہے گی۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے منارۂ نام دار کو دلّی لانے کا حکم دیا۔ جتنے قصبے اور قریے اس منارے کے آس پاس اور دو آبے اور غیر دو آبے کے درمیان واقع تھے ان مقامات کے تمام لوگوں کو (اس نے) جمع کیا۔ آزاد، غلام، سوار اور پیادے سب اکٹھے ہو گئے۔ طرح طرح کے ساز و سامان اور آلات منگوائے گئے۔ سینبل کے درختوں کی چھال سے بنائے ہوئے رسّے لائے گئے، تاکہ منارے کو باندھا جا سکے۔ اس کے گرد روئی لپیٹ کے رسّوں سے باندھ دیے گئے۔

پھر رُوئی کے موٹے موٹے گدّوں کو سینبل کی چھال سے بنے ہوئے رسّوں سے باندھ دیا گیا اور یہ بندھے ہوئے روئی کے گدّے منارے کے تکیے کے طور پر زمین پر رکھ دیے گئے تاکہ جب بنیاد کھودنے سے منارہ خم ہوکر زمین پر گرے تو پتّھر کا مینارہ زور پڑنے سے ٹوٹ نہ جائے۔ جب مینارے کی جڑ کھودی گئی اور مینارہ خم ہوکر روئی پر گر پڑا تو آہستہ آہستہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے رُوئی اس کے نیچے سے نکال لی گئی۔ چناں چہ چند دن میں خدا کی عنایت اور بادشاہ کے اقبال سے مینارۂ مذکور زمین پر ہموار ہوکر گر پڑا۔ جب اس (مینارے) کی جڑ کو غور سے دیکھا گیا تو ایک چوکور پتّھر نکلا۔ معلوم ہوا کہ مینارہ اسی پتّھر پر نصب تھا۔ اس پتّھر کو بھی باہر نکال لیا گیا .... مختصر یہ کہ مینارے کے گرد بانس کے ٹکڑے اور (جانوروں کی) تازی کھال باندھ دیے گئے تاکہ مینارے کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس کے بعد ایک ایسی گاڑی بنائی گئی جس کے بیالیس پہیے تھے۔ اس کے پایوں میں رسّے باندھ دیے گئے۔ کئی ہزار آدمیوں نے ایک ساتھ مل کر زور لگایا۔ آخر بڑی محنت اور مشقّت کے بعد مینارے کو گاڑی پر رکھا گیا (اس کے بعد) گاڑی کے ہر پایے پر دس دس من کا رسّا باندھا گیا اور ہر رسّے کو کھینچنے کے لیے دو سَو مزدور مقرر کیے گئے۔ جو جسم و جان سے زور لگاتے تھے۔ اس طرح بیالیس پہیوں میں رسّے باندھے گئے اور کئی ہزار آدمیوں نے ایک ساتھ مل کر اسے کھینچا اور بالآخر وہ گاڑی مینارے کے ساتھ رُوانہ ہوئی۔ چوں کہ نویرہ گاؤں دریاے جمنا کے کنارے سے قریب ہے۔ اِس لیے سلطان فیروز شاہ خود اس مینارے کے ساتھ چلا اور (اس) مینارے کو دریاے جمنا تک لے آیا۔ تمام کشتیاں دریاے جمنا کے کنارے جمع تھیں اور دریاے جمنا میں اتنی بڑی اور وسیع کشتیاں ہوتی تھیں کہ بعض کشتیوں میں پانچ ہزار من غلّے آجاتے تھے، اور بعض میں سات ہزار من۔ اور جو چھوٹی ہوتی ہوتی تھیں ان میں دو ہزار من غلّہ آجاتا تھا۔ اس طرح کی کشتیاں جمع کی گئیں۔ اس کے بعد بڑی حکمت اور تدبیر سے مینارے کو کشتی میں رکھا گیا اور کشتی کو دریا میں چلا کر شہر فیروزآباد میں پہنچایا گیا۔ اس کے بعد مینارہ نصب کرنے کے لیے عمارت کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔

یہ مورّخ جو مورّخانِ نیک نام کا خوشہ چیں ہے۔ (اس وقت) بارہ سال کا ہوچکا تھا۔ الغرض جب وہ مینارہ فیروزآباد کے دربار میں لایا گیا اور جامع مسجد سے متّصل عمارت کا آغاز کیا گیا۔ وہ عمارت ماہر کاریگروں کی صنعت سے کھرسنگ اور چُونے سے بنائی گئی تھی۔ جس منزل پر وہ مینارہ چڑھایا جاتا، سلطان فیروز شاہ اللہ کے حکم سے ایسی ترکیبیں کرتا کہ جن سے .... مینارہ اس سے اوپر کی منزل پر چڑھا دیا جاتا۔ اس کے بعد اس سے اوپر کی عمارت کی تعمیر شروع کردی جاتی .... جب مینارے کو کھڑا کرنے کا وقت آیا تو دس من سُوت کی رسّیاں لائی گئیں اور ہر ہر منزل پر لکڑی کی چرخیاں باندھی گئیں۔ رسّی کا ایک سِرا مینارے کے سِرے پر باندھا جاتا اور دوسرا چرخی پر، اُس چرخی کو ہزاروں آدمیوں نے زور لگا کر گھمایا۔ جب لوگوں نے بہت زیادہ زور لگایا تو آدھا گز مینارہ اوپر اُٹھا۔ جب مینارہ آدھا گز اوپر آجاتا تو اس کے نیچے سینبل کی رُوئی کے تکیے، بڑی بڑی لکڑیاں اور سینبل کے درخت کی چھال کے بڑے بڑے ٹکڑے رکھ دیے جاتے تاکہ مینارہ دوبارہ عمارت پر نہ گرے اسی طریقے سے چند روز تک زور و طاقت صَرف کرکے خدا کے کرم اور عنایت سے بادشاہ کی مرضی کے مطابق مینارہ سیدھا کھڑا ہوگیا۔ مینارے کے چاروں طرف نیچے سے اوپر تک بے شمار و بے قیاس بڑی بڑی لکڑیاں رکھ دی گئیں۔ سہارا دینے کے لیے ایک لکڑی کے قبّے کا سانچہ بنایا گیا اور اس کی لکڑیاں مینارے پر اس لیے ٹکائی گئیں کہ مینارہ کسی طرف ٹیڑھا نہ ہوجائے۔ چناں چہ مینارہ بالکل سیدھا کھڑا ہوگیا اور ذرّہ برابر خم نہیں آیا۔ اور مینارہ کھڑا کرتے ہوئے وہ چوگوشہ پتّھر (نویرہ میں جس پر مینارہ نصب تھا) مینارے کی بنیاد میں رکھ دیا گیا۔ جب مینارہ کھڑا ہوگیا تو اس سے تھوڑے سے فاصلے پر مینارے کے اوپر چاروں طرف سنگِ سیاہ اور سنگِ سفید لگائے گئے اور اس سنگِ سیاہ اور سنگِ سفید کے اوپر ایک تانبے کا قبّہ بنایا گیا، جس پر سونے کا ملمّع کیا گیا، اسے ہندی میں کلس کہتے ہیں۔ مینارے کی اونچائی کُل ۳۲ گز ہے جس میں سے ۲۴ گز عمارت کے باہر اور ۸ گز عمارت کے اندر ہے۔ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ موضع نویرہ میں کس نے اسے زمین میں گاڑا تھا۔ مینارے کے

نیچے کے حصے میں ہندی میں چند سطریں چاندی میں کندہ کی ہوئی تھیں۔ سلطان فیروز شاہ نے بہت سے ہندوؤں کو بلایا، کوئی نہیں پڑھ سکا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کچھ ہندوؤں نے اس ہندی عبارت کو پڑھ لیا۔ اس پر لکھا تھا کہ کوئی بھی شخص مینارے کو طاقت کے ذریعے اس جگہ سے نہیں ہلا سکتا؛ نہ مسلمان اور نہ ہندو فرماں روا ——— لیکن اس آخری زمانے میں ایک ایسا بادشاہ پیدا ہوگا جس نے ارادہ کیا اور اس مینارے کو اس کی جگہ سے باہر نکال لایا۔ اس بادشاہ کا نام سلطان فیروز ہے۔

دوسرے مینارے کا قصّہ

وہ مینارہ جسے کوشک شکار میں نصب کیا گیا۔ وہ قصبۂ میرٹھ کے پاس دو آبے کے درمیان نصب تھا۔ مینارۂ کوشک شکار، مینارۂ زرّیں سے چھوٹا تھا۔ اس مینارے کو بھی وہ مشہور بادشاہ بڑی ترکیبوں اور بہت مشقتوں کے ساتھ کوشک شکار میں پہاڑ پر لایا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ سلطان فیروز شاہ نے دوسرا مینار کوشک شکار پر نصب کیا۔ اس دن بادشاہ نے عوام و خواص نے جشنِ عام کیا تھا۔ تمام شہر خوش و خرم تھا۔ اس دن بے حد حساب شربت کے مٹکے بھر کے کوشک شکار میں رکھے گئے۔ ہر آنے جانے والا ان مٹکوں میں سے شربت پیتا تھا۔ جو کوئی بھی تماشا دیکھنے آتا شربت پی کر جاتا۔ کوئی کسی کو منع نہیں کرتا۔ جب مینارہ کھڑا ہو گیا اور کوشک بن گیا تو اس مقام پر ایک شہر آباد ہو گیا۔

(ص ص ۳۰۵ - ۳۱۳)

فیروز شاہ کی عمارتیں

شاہ فیروز نے بڑی جدّ و جہد کے ساتھ عمارتیں تعمیر کرنے میں کامیابی حاصل کی؛ اس

نے اس کام کے لیے بہت کوششیں کیں۔ کسی بھی ایسے بادشاہ نے جو دین پناہ اور صاحب دستگاہ تھا اور جو سلطنت دار الملک دلّی کے تخت پر بیٹھا تھا اور جس نے ظلم و جبر سے دوسرے ملکوں پر قبضہ نہیں کیا تھا، عمارتیں تعمیر کرنے میں اتنی کوششیں نہیں کیں۔

سلطان فیروز کو تعمیر کا بے انتہا شوق تھا اور اس نے اس سلسلے میں غیر معمولی کوششیں کیں۔ اس نے غیر معمولی توجہ سے کام لے کر عمارتوں میں طرح طرح کے نمونے پیش کیے۔ (اس) بہت سارے اور بے شمار شہر، حصار، کوشک، مسجدیں اور مقبرے بنائے چناں چہ اس مورخ ضعیف شمس سراج عفیف نے گزشتہ ابواب میں شہر حصار فیروزہ اور فتح آباد کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور اس طرح (بادشاہ نے شہر فیروز آباد اور فیروز آباد ہارنی کھیرہ، تغلق پور کاسنہ، تغلق پور، کلوت اور شہر جون پور وغیرہ آباد کیے۔ ....

(ص ص ۳۲۹ - ۳۳۰)

سلطان فیروز شاہ نے مقبروں کی مرمت کرائی

سلطان فیروز شاہ نے پرانے بادشاہوں کے مقبروں کی مرمت کرائی اور انھیں دوبارہ بنوایا۔ بادشاہ اپنی عظمت اور غرور کی وجہ سے سلاطینِ ماضیہ کو کب یاد کرتے ہیں کہ ان کے مقبروں کی تلاش و جستجو کریں۔ اس وجہ سے بیشتر سلاطینِ پیشیں کے مقبرے خراب و خستہ ہو گئے تھے۔ ان مقامات سے متعلق حضرات پریشانی میں مبتلا تھے۔ یہ رسمِ جہاں داری ہے کہ ہر ایک بادشاہ جب تخت پر بیٹھتا ہے تو کچھ املاک مثلاً گاؤں وغیرہ اصحاب و اربابِ بابرکات کے لیے وقف کر دیتا ہے تاکہ ان کی وفات کے بعد ان کے مدرسوں اور مقبروں میں خیر جاری رہے لیکن (فیروز شاہ جب تخت پر بیٹھا ہے تو تمام گاؤں اور علاقے خراب و برباد ہو گئے تھے اور وہاں کے نیک لوگ

ان مقاموں سے محروم ہو گئے تھے۔ ہر ایک مفلسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ تمام علاقے تاریک ہو چکے تھے۔ سلطان فیروز شاہ نے خدا کے فضل و کرم سے اپنے عہد میں دانش مندی سے کام لے کر اس سلسلے میں بہت کوششیں کیں۔ تمام بادشاہوں کے مقبروں کی مرمت کرائی۔ از سرِ نَو بنوایا اور جو گاؤں پہلے جس مقبرے کے ساتھ تھے اور جہاں تباہی ہو گئی تھی اور رعیت مر مرا گئی تھی، ان تمام دیہاتوں کو آباد کیا۔ ان مقبروں کے جو مجاور و خدام اِدھر اُدھر چلے گئے تھے .... سلطان فیروز شاہ نے مشیت ایزدی سے ان تمام لوگوں کو اکٹھا کیا۔ بادشاہوں اور دینی بزرگوں کے مقبروں کو از سرِ نَو آباد و معمور کیا۔ اس بادشاہ نے چین اور روم کے بادشاہوں کی طرح .... مشائخِ طریقت اور علمائے شریعت کے مقبروں کی بھی مرمت کرائی بلکہ بادشاہوں اور مشائخِ دین کے مقبروں کے گنبدوں میں اندر کی طرف صندل کی لکڑی لگائی اور ہر مقبرے کو از سرِ نَو آراستہ کیا۔

(ص ص ۳۳۲ - ۳۳۳)

سیر المتاخرین

(جلد اول)

منشی غلام حسین خاں طباطبائیؒ

صوبہ دلّی

یہ صوبہ تیسری اقلیم میں سے ہے۔ یہ پلول سے لدھیانے تک دریائے ستلج کے ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔ ۱۶۵ کوس لمبا اور ریواڑی سرکار سے کماون کی پہاڑی تک ۱۴۰ کوس چوڑا اور حصار سے خضر آباد تک ۱۳۰ کوس ہے۔ اس کے مشرق میں دار الخلافہ آگرہ ہے اور شمال میں یہ خیر آباد سے ملا ہوا ہے۔ مشرق و شمال کے درمیان خیر آباد میں صوبۂ اودھ، شمالی کوہستان، جنوبی آگرہ اور اجمیر غربی۔ اس صوبے کے دریا گنگا اور جمنا ہیں۔ یہ دونوں دریا کہاں سے شروع ہوتے ہیں یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے دریا اس علاقے میں ہیں۔ سب کوہِ شمال سے نکلے ہیں۔ آب و ہوا معتدل ہے اور زمین بہت زرخیز ہے اور بعض کھیتوں میں تو سال میں تین تین فصلیں ہوتی ہیں۔ طرح طرح کے پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں شاندار پتھر اور اینٹوں کی عمارتیں ہیں۔ ایسی شان دار عمارتیں ہیں کہ جن سے دل اور دماغ کو طراوت پہنچتی ہے ..... دلّی بہت پرانا شہر ہے۔ سب سے پہلے شہر کا نام

"اندرپت" تھا جو طول میں ۱۱۴ درجے اور ۳۸ دقیقہ اور عرض میں ۲۸ درجے اور ۱۵ دقیقے تھا۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ یہ اقلیم دوم سے ہے۔ اس کی ابتدا جنوبی پہاڑ ہے۔

سلطان قطب الدّین اور سلطان شمس الدّین قلعۂ پتھورا میں رہتے تھے۔ سلطان غیاث الدّین بلبن نے ایک اور قلعہ بنایا اور اچھی جگہیں تلاش کر کے دل کشا عمارتیں تعمیر کیں۔ معز الدّین کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارے ایک اور شہر آباد کیا جسے کیلوکھڑی کہتے ہیں۔ امیر خسرو نے "قران السعدین" میں اس شہر اور قلعے کی تعریف کی ہے۔ آج کل اس جگہ پر مقبرہ ہمایوں واقع ہے۔ سلطان علاء الدّین نے دُوسرا شہر آباد کیا اور ایک نیا قلعہ تعمیر کیا۔ اس (جگہ) کو سیری کہتے ہیں۔ تغلق شاہ نے تغلق آباد بنایا۔ اس کے لڑکے سلطان محمد نے ایک شہر آباد کیا اور اس میں بہت اونچا محل بنوایا جس میں سنگِ رخام کے ایک ہزار ستون استعمال کیے گئے اور دیگر دل کشا عمارتیں تعمیر کیں۔ سلطان فیروز نے اپنے نام سے ایک بڑا شہر آباد کیا اور دریائے جمنا کاٹ کر اِس کے پاس سے گزاری۔ فیروز آباد سے مزید تین کوس پر ایک اور کوشک بنایا "جہاں نُما" اس کا نام رکھا۔ جس میں تین سُرنگیں تھیں اور اپنی بیویوں کے ساتھ سوار ہو کر ان میں سے گزرتا تھا۔ دریا کی طرف پانچ جریب اور جہاں نما سے دو کوس اور پُرانی دہلی سے پانچ کوس پر اندرپت کے مقام پر ہمایوں نے قلعہ تعمیر کیا اور دین پناہ اس کا نام رکھا۔ شیر خاں نے علائی کی دلّی کو ویران کر کے نیا شہر آباد کیا اور اس کے بیٹے سلیم شاہ نے ۹۵۳ ہجری (۱۵۴۷ـ۱۵۴۸ ء) میں سلیم گڑھ کی بنیاد رکھی۔ وہ آج بھی دریائے جمنا کے بیچ میں قلعۂ شاہ جہاں آباد کے سامنے موجود ہے۔ اگرچہ کئی فرماں رواؤں نے اپنے عہدِ حکومت میں تعمیرات کیں اور دار السلطنت بنائے اور ہر ایک نے نیا شہر آباد کیا لیکن دور دور تک دلّی ہی ہندوستان کا پایۂ تخت مشہور ہوا۔ یہاں تک کہ ۱۰۴۷ ہجری مطابق بارہویں سال جلوس میں صاحب قران ثانی شہاب الدّین محمد شاہ جہاں بادشاہ نے شیر شاہ کے شہر کے پاس ایک نیا شہر آباد کیا اور شاہ جہاں آباد اس کا نام رکھا اور اس

عظیم شہر کے بننے سے تمام پرانے بادشاہوں کے شہروں کے نام، جو لکھے جا چکے ہیں، ختم ہو گئے اور (یہ شہر) شاہ جہاں آباد کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کا قلعہ لال پتھر سے بنا ہوا، جس میں طرح طرح کی عالی شان عمارتیں اور طرح طرح کے رُوح افزا محل تعمیر کیے گئے اور قلعے کے جنوب کی طرف دریائے جمنا جاری ہے۔ علی مردان خاں کوہ سرمور سے نہر (کاٹ کر یہاں) لایا تھا۔ یہ نہر (دلّی کے) کوچوں اور بازاروں کو رونق اور فیض پہنچاتی ہوئی قلعے میں پہنچ جاتی ہے جس سے تالاب اور حوض لبالب بھر جاتے ہیں اور باغ سیراب ہو جاتے ہیں۔......

شہر پناہ کی فصیل سنگ ساروج سے بنائی گئی ہے...... اگرچہ ہر کوچہ و بازار میں مسجدیں، معابد، خانقاہیں اور مدرسے بہت ہیں لیکن شہر کے بیچوں بیچ جامع مسجد ہے جو ۱۰۶۰ ہجری مطابق ۲۴ سال شاہ جہانی، لال پتھر سے اور اس کے گنبد سفید اور سیاہ پتھر سے بنائے گئے ہیں۔ بہت اونچی اور وسیع، بہت خوب صورت اور نادر مسجد ہے۔ اس سے بہتر مسجد شاید ہی کہیں ہو...... (اس شہر) کے اطراف میں سلاطین پیشیں اور درویشانِ حقیقت آئین کے بہت سے مزار اور مقبرے ہیں لیکن ان میں مشہور تر نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ کا مقبرہ ہے جو دریائے جمنا کے کنارے کیقباد کی کیلوکھڑی میں واقع ہے۔ امیروں، وزیروں، عالموں اور فاضلوں جو اپنے زمانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے، کہ اتنے مزار ہیں کہ گنتی میں نہیں آ سکتے۔ ان درویشوں کے مزارات میں سے جو اپنی ولایت اور تقرب الٰہی کی وجہ سے مشہور تھے، ایک مقبرہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بن خواجہ کمال الدین احمد اوشی کا ہے جو شاہ جہاں آباد سے سات کوس کے فاصلے پر ہے......

(ص ص ۳۹ - ۴۰)

حصار شہر

میواتیوں نے شہر کے آس پاس گھنے جنگل ہونے کی وجہ سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔

وہ رہزنی کرتے تھے۔ چاروں طرف کے راستے بند ہوگئے تھے اور سوداگروں میں آمدورفت کی ہمت نہیں رہی تھی۔ ان کے خوف سے نماز کے وقت شہر کے دروازے بند کردیے جاتے، نماز کے بعد کسی میں شہر سے باہر جانے کی ہمت نہیں تھی۔ میواتی حوض سلطانی (غالباً حوض خاص) پر آتے اور وہاں سے پانی لینے والوں سے مزاحمت کرتے......

...... سلطان غیاث الدین بلبن نے ان لوگوں کی سرکوبی کو دوسری مہمات پر ترجیح دی۔ تمام جنگلوں کو کاٹ ڈالا اور اُن تمام بدنہادوں کو قتل کروا ڈالا۔ شہر کی فصیل کو مضبوط بنایا شہر کے پاس تھانے قائم کیے اور زمین کو اس طرح تقسیم کیا کہ (ہر تھانے دار) اپنے علاقے کی خبرداری کرے۔ رہزنوں اور چوروں کی گوشمالی کے لیے پوری مساعیِ جمیلہ کیں۔

(ص ۱۱۱)

کیلوکھڑی

سلطان معز الدین کیقباد نے حکومت کے تمام کام امیر الامرا کے حوالے کر دیے اور خود عیش وعشرت میں ڈوب گیا۔ دار الملک دلی سے باہر آگیا اور دریاے جمنا کے کنارے دل کشا عمارتیں اور شان دار باغ تعمیر کیے اور کیلوکھڑی کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔

(ص ۱۱۲)

شہرِ نو

سلطان جلال الدین فیروز خلجی کو امرا و رؤسا اور رعایا پسند نہیں کرتی تھی۔ (بادشاہ ہونے کے بعد) وہ شہر میں داخل نہیں ہوا اور جس تخت پر پچھلے بادشاہوں نے جلوس

کیے تھے اس پر نہ بیٹھا۔ کیلوکھڑی میں سکونت اختیار کرلی اور شہر نو اور قلعہ پتھر سے دوبارہ بنوایا۔

(ص ۱۱۴)

سیّدی مولا کی خانقاہ

سیّدی مولا نام کے ایک درویش دلی آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ (انھوں نے یہاں) بہت بڑی خانقاہ بنائی جس کی تعمیر پر بہت روپیہ خرچ کیا۔ لوگوں کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ ہر روز ہزار من میدہ، پانچ سو من نمک، تین سو من شکر اور دو سو من گھی اور اسی حساب سے مسالے خرچ ہوتے تھے اور دن میں دو مرتبہ دسترخوان بچھتا تھا جس پر خاص و عام دونوں حاضر ہوتے تھے۔ سیّدی مولا خود سوکھی روٹی کے علاوہ کچھ اور تناول نہ فرماتے تھے۔

(ص ۱۱۵)

قلعہ تغلق آباد

(سلطان غیاث الدین) کو عمارتیں بنانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے دلی کے قریب تغلق آباد کا قلعہ بہت مضبوط تعمیر کیا۔

(ص ۱۲۳)

قصر افغان پور

سلطان غیاث الدین تغلق لکھنوتی (عرف بنگالہ) کی فتح کے بعد دلی واپس آیا۔ شہزادہ

الغ خاں نے تغلق آباد سے تین کوس کے فاصلے پر بادشاہ کی ضیافت کے لیے فوری طور پر ایک محل تعمیر کیا اور اس میں ضیافت کا انتظام کیا۔ سلطان جب دلّی پہنچا تو اسی محل میں اُترا۔

الغ خاں نے وہاں محفل سجائی اور دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چُنے گئے۔ کھانے کے بعد لوگ ہاتھ دھونے کے لیے جلدی سے باہر آئے۔ سلطان اسی قصر میں بیٹھا ہاتھ دھو رہا تھا کہ اس محل کی چھت گر پڑی۔ سلطان پانچ دوسرے لوگوں کے ساتھ دب کر مر گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ الغ خاں نے اس محل کی عمارت، جس کی ضرورت نہیں تھی، جان بوجھ کر ایسی بنائی اور اس میں کچھ اس طرح کی ترکیب کی کہ بادشاہ کا کام تمام ہو جائے۔ صدر جہاں گجراتی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ الغ خاں نے وہ عمارت جادو کے زور پہ بنائی تھی اور سلطان کے پہنچنے پر جب وہ جادو ٹوٹا تو عمارت گر پڑی۔ حاجی قندھاری نے لکھا ہے کہ جب بادشاہ ہاتھ دھو رہا تھا تو بجلی گری اور وہ محل گر پڑا، اور بعضوں نے لکھا ہے کہ سلطان بنگالہ سے پہاڑ جیسے ہاتھی لایا تھا۔ شہزادہ الغ خاں کو دکھانے کے لیے اس نے حکم دیا کہ ہاتھیوں کو دوڑایا جائے۔ چوں کہ محل کی عمارت تازہ بنی ہوئی تھی، ہاتھیوں کی دوڑ کے دھماکے سے گر پڑی۔ بعضے لکھتے ہیں کہ اس وقت ایک بہت بڑا زلزلہ آیا اور محل گر پڑا۔ بہر حال شیخ رکن الدین ملتانی بادشاہ سے ملاقات کے لیے اس محل میں گئے تھے۔ انھوں نے اشارے کنایے سے سلطان سے فوراً باہر آنے کے لیے کہا۔ سلطان اشارہ نہ سمجھا۔ جب شیخ باہر آ گئے تو سلطان پر محل گر پڑا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ چوں کہ سلطان شیخ نظام الدین معروف بہ اولیا سے آزردہ تھا۔ اس نے (قصر افغان) میں پہنچ کر حضرت نظام الدین کو یہ پیغام بھیجا کہ جب میں شہر میں داخل ہوں تو شیخ شہر سے چلے جائیں۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ "ہنوز دہلی دور است۔"

(ص ۱۲۳)

سلطان فیروز شاہ کی تعمیرات

سلطان فیروز شاہ تغلق نے سعادت حاصل کرنے کے لیے مسجدیں، مقبرے، مدرسے، مہمان سرائیں، دار الشفا اور اسی طرح کی دوسری عمارتیں اتنی تعداد میں تعمیر کیں کہ سلطان بلبن نے بھی نہیں کی تھیں۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ فیروز آباد شہر کے علاوہ سلطان فیروز شاہ تغلق نے تیس[۳۰] شہر، چالیس[۴۰] جامع مسجدیں، تیس[۳۰] مدرسے، بیس[۲۰] خانقاہیں، دو سو[۲۰۰] رباط، سو[۱۰۰] نہریں، سو[۱۰۰] کوشک، ایک سو باون[۱۵۲] حمام، پانچ[۵] دار الشفا، سو مقبرے[۱۰۰]، دس بڑے مینار اور بے شمار باغات تعمیر کیے۔ ان میں جون پور بھی ہے، جو اس نے اپنے چچا سلطان محمد شاہ الغ خاں مشہور بہ فخر الدین جونا کے نام پر بنایا تھا۔ تین سو سال سے زائد گزرنے کے باوجود اس کی اکثر عمارتیں باقی ہیں۔

(ص ۱۲۸)

فیروز شاہ کی لاٹھ

دلّی کے پاس (موجودہ دلّی کے دلّی دروازے سے باہر کچھ فاصلے پر) ایک پہاڑی پر ایک ستون کے آثار اب تک موجود ہیں۔ اس جگہ کو "جہاں نما" کہا جاتا ہے اور عوام الناس اسے فیروز شاہ کی لاٹھ کہتے ہیں۔ یہ تقریباً ساٹھ گز اونچی ہے اور اس کا قطر تین گز ہے۔ اس کی بنیاد اتنی مضبوط ہے کہ آج تک موجود ہے اور عرصۂ دراز تک سلامت رہے گی۔

(ص ۱۲۸)

مسجد موٹھ

کہتے ہیں کہ سلطان سکندر لودھی کو ایک روز جامع مسجد میں موٹھ کا ایک دانہ مِلا جسے اس نے اُٹھا کر میاں بھوا کو دے دیا۔ وہ کورنش بجا لایا۔ ان کو خیال آیا کہ چوں کہ

اس دانے کو بادشاہوں کی دست بوسی کی سعادت حاصل ہوگئی ہے۔ اسے حیاتِ اَبدی دینے کی فکر کرنی چاہیے۔ اس دانے کو اپنے باغ میں لگا دیا۔ جب پودا نکل آیا تو اس کی پوری احتیاط کی۔ اس میں خوشہ لگا۔ جب وہ پک گیا تو اس میں سے دو سو دانے ملے۔ اسی طرح وہ دانے سال بہ سال بوئے جاتے رہے اور اس کی (فروخت سے) بہت روپیہ اکٹھا ہوگیا۔ اس روپے سے دلّی میں ایک شان دار مسجد تعمیر کی اور سلطان سکندر لودھی کو اس کی اطلاع دی۔ سلطان نے اس کی عقل و دانش پر آفریں کہی اور اسے عنایتِ خسروانہ سے سرفراز کیا۔ اس مسجد کا نام موٹھ کی مسجد پڑ گیا۔ آج تک دلّی میں موجود ہے اور اسی نام سے مشہور ہے۔

(ص ۱۴۱)

ہمایوں کا مقبرہ

ہمایوں کی لاش کو معزالدین کیقباد کی کیلوکھڑی میں دفن کیا گیا اور اس پر عالی شان عمارت بنائی گئی۔

(ص ۱۶۶)

لال قلعہ

۵ ر ذی الحجہ ۱۰۴۸ ہجری (مطابق ۱۶۳۹ء) کو قلعۂ مذکور کی بنیاد کھودی گئی اور ۹ محرم جمعہ کی شب ۱۰۴۸ ہجری (مطابق ۱۶۳۸ء) پانچ ساعت اور بارہ دقیقہ نجومی کے بعد قلعے کی بنیاد رکھی گئی۔ ساٹھ لاکھ روپے قلعے کی تعمیر میں خرچ ہوئے۔ ۱۰۵۱ ہجری (۴۲-۱۶۴۱ء) کو تعمیر مکمل ہوئی۔ بادشاہ ۲۴ ربیع الاوّل سال مذکور کو اس دروازے سے داخل ہوا جو دریا کے کنارے ہے اور جس کا راستہ شاہ محل کی طرف جاتا ہے۔ دولت خانے

کے ایوان پر جلوسِ عام کیا۔ تختِ مُرصّع پر بیٹھا اور نذرانے پیش کیے گئے۔ تمام نذرانوں میں سے بارہ لاکھ روپے کے تحفے قبول فرمائے۔ چار لاکھ روپیہ بیگم صاحبہ کو دے دیا گیا۔

(ص ۲۷۷)

شاہ جہاں آباد کی جامع مسجد

سنہ ۲۴ جلوس میں مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ چھے سال میں عمارت مکمل ہوگئی۔ اس عمارت کی نگرانی پانچ ماہ تک جعفر خاں کو سونپی گئی۔ دو سال خلیل اللہ خاں اس کے نگراں رہے اور تین سال پانچ مہینے تک سعد اللہ خاں نے نگرانی کی (چھے سال میں یہ عمارت مکمل ہوئی)۔ ....

دس لاکھ روپیہ مسجد کی تیاری میں خرچ ہوا۔ مسجد کے تینوں گنبد سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ کے بنے ہوئے ہیں۔ اس کا صحن بھی سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اور مصلّیٰ محراب کے طور پر سنگِ موسیٰ سے بنایا گیا ہے۔ صحن کا فرش سُرخ پتھر کا ہے۔ اصل مسجد نوّے گز لمبی اور تینتیس گز چوڑی ہے۔ صحن کے وسط میں ایک حوض ہے جو پندرہ گز لمبا اور بارہ گز چوڑا ہے۔ حوض کے کنارے سنگِ مرمر اور سنگِ موسیٰ سے تیار کیے گئے ہیں۔

(ص ۲۸۵)

دارا شکوہ کا مزار

دارا شکوہ بدھ کے دن ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ ہجری (مطابق ۱۶۵۹ء) کو قتل ہوا۔ اس کی لاش تشہیر کے بعد ہمایوں کے مقبرے میں دفن کر دی گئی۔

(ص ۳۲۶)

شاہ سرمد کا مزار

علماے جاہ طلب کے فتوے پر (شاہ سرمد) کو قتل کر دیا گیا اور جامع مسجد شاہجہاں آباد کے پاس مدفون ہوئے۔

(ص ۳۴۰)

سیر المتاخرین

از

منشی غلام حسین خاں طباطبائی

جلد تیسری

عالمگیر ثانی کا مزار

عالمگیر ثانی کو عماد الملک کے آدمیوں نے کوٹلہ فیروز شاہ میں دھوکے سے مار دیا تھا اور اس کی لاش جمنا کی ریت پر پھینک دی تھی۔

(خلیق)

عالمگیر کی لاش کو اٹھا کر سلاطینِ بابریہ کے اجداد ہمایوں بادشاہ کے مقبرے میں دفن کر دیا۔

(ص ۹۰۸)

طبقات اکبری

از

مولانا نظام الدّین احمد

بن

محمد مقیم ہروی

حوض شمسی

ملفوظاتِ خواجہ قطب الدّین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کے جامع شیخ فرید گنجِ شکرؒ ہیں۔ انھوں نے ملفوظات میں لکھا ہے کہ سلطان (شمس الدّین التمش) کو ایک حوض بنانے کا خیال آیا اور مناسب جگہ کے تعیّن کے لیے خواجہ (قطب الدین بختیار کاکیؒ) کی خدمت میں آیا اور عرض مدّعا کیا۔ سلطان جس زمین پر بھی پہنچا وہاں سے گزرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچا جہاں پر حوض شمسی ہے۔ اسی زمین کو (حوض کے لیے) منتخب کر لیا۔ جب رات ہوئی تو سلطان نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ اسی سرزمین پر سوار کھڑے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ شمس الدین! تجھے کیا چاہیے۔ سلطان نے کہا یا رسول اللہ! چاہتا ہوں کہ حوض بناؤں۔ فرمایا کہ اسی جگہ بنا لے ــــ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے نے

وہیں زمین پر زور سے سُم مارا، زمین سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ سلطان کی آنکھ کھل گئی ابھی رات باقی تھی کہ خواجہ قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ سنایا۔ خواجہ قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ سلطان مجھے اس جگہ لے گیا اور میں نے چراغ کی روشنی میں دیکھا کہ اس جگہ پانی کا چشمہ پھوٹتا ہے۔

(ص ص ۲۹-۳۰)

سلطان غیاث الدّین بلبن کا مدفن

سلطان بلبن (غیاث الدّین بلبن) .... خدا کو پیارے ہو گئے اور دارالامان میں مدفون ہوئے۔

(ص ۵۰)

کیلوکھڑی، بعہد سلطان معز الدّین کیقباد

معز الدّین کیقباد (پُرانی) دلی سے باہر آگیا، اس نے جمنا کے کنارے کیلوکھڑی کے علاقے میں ایک خوبصورت اور بہت بڑا باغ تعمیر کیا اور اسے اپنا دارالسلطنت بنایا۔

(ص ۵۰)

شہرِ نَو (کیلوکھڑی)

سلطان (جلال الدّین خلجی) نے کیلوکھڑی میں سکونت اختیار کرلی اور قصر معزی (سلطان معز الدّین کیقباد کا محل) کو مکمل کرنے کا حکم دیا اور اس قصر کے سامنے جمنا کے کنارے نیا باغ بنایا اور امراو ملوک نے بھی وہاں اپنے اپنے گھر بنائے۔ پتھر سے فصیل تعمیر کی گئی۔

تھوڑی ہی مدت میں مکان، فصیل، مسجدیں اور بازار بن گئے اور شہرِ نَو کے نام سے موسوم ہوئے۔

(ص ۵۷)

سیدی مُولا کی خانقاہ

سیدی مُولا نے ایک بہت بڑی خانقاہ تعمیر کی، جس پر بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا۔ اس خانقاہ میں زمین اور دریا کے مسافر قیام کرتے تھے۔ دو وقت دسترخوان بچھتا، ایک ہزار من میدہ، پانچ سو بکریاں، تین سو من شکر روز خرچ ہوتے تھے، اور عوام و خواص دسترخوان پر حاضر ہوتے تھے۔

(ص ۶۱)

مغول پور (مغل پورہ)

(سلطان جلال الدّین خلجی کے زمانے میں دلّی پر ہلاکو خاں کے ایک رشتے دار "الغو نبیرۂ چنگیز خاں" نے حملہ کیا تھا۔ سلطان جلال الدّین کی فوجوں نے اُسے شکست دی۔ شکست کے بعد وہ اور اُس کے کچھ ساتھی مسلمان ہو گئے اور الغو سلطان جلال الدّین خلجی کو باپ کہنے لگا۔

سلطان جلال الدّین خلجی نے اسے اپنا داماد بنالیا ـــــ خلیق)

سلطان جلال الدّین خلجی نے غیاث پور میں ان کے رہنے کی جگہ طے کی اور اس جگہ کو مغول پور اور ان مغلوں کو نو مسلم کہا جاتا تھا۔

(ص ۶۳)

دلّی کی فصیل بعہدِ سلطان علاء الدّین خلجی

(سلطان علاء الدّین خلجی نے دار الخلافہ تعمیر کیا۔ اس شہر کا نام سیری تھا اور

اس کے کھنڈر آج بھی باقی ہیں ـــــ خلیق)

شان دار عمارتیں تعمیر کیں اور دلّی کی فصیل کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ جس طرف سے مغول دلّی آتے تھے اس طرف کی فصیل کو اور زیادہ مضبوط بنایا۔

(ص ۷۸)

سلطان علاء الدّین خلجی کی عمارتیں

تاریخ فیروز شاہی کے مؤلف نے یہ لکھا ہے کہ جتنی عمارتیں سلطان علاء الدّین خلجی کے زمانے میں بنیں، کسی اور بادشاہ کے زمانے میں تعمیر نہیں ہوئیں۔ سلطان نے مسجد، منبر، مینار، حوض، فصیل اور اسی طرح کی دوسری عمارتیں تعمیر کیں۔

(ص ۸۳)

تغلق آباد

(سلطان غیاث الدّین تغلق شاہ کو) عمارت سازی کا بہت شوق تھا۔ اس نے تغلق آباد قلعے کی عمارت اور دوسری عمارتیں تعمیر کرائیں۔

(ص ۹۶)

قصرِ افغان پور

سلطان غیاث الدّین تغلق شاہ لکھنوتی پر فتح کے بعد دلّی کی طرف روانہ ہوا۔ جب سلطان محمد تغلق شاہ کو اس کا علم ہوا کہ اس کا باپ غیاث الدّین فتح کے بعد دلّی کی طرف مراجعت کر رہا ہے تو اس نے حکم دیا کہ تغلق آباد سے تین کوس کے فاصلے پر افغان پور کے پاس محل بنایا جائے۔ تین دن میں محل بنا دیا گیا تاکہ جب سلطان وہاں پہنچے تو اس محل میں اُترے

اور رات گزارے اور شہر کے لوگ اس کا استقبال کریں۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ پوری شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ جب سلطان غیاث الدین تغلق اس محل میں پہنچا تو تغلق آباد میں لوگوں نے خوشی کے شادیانے بجائے اور قبّے بنائے۔ محمد شاہ تغلق امراو ملوک اور اکابر کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کا استقبال کیا۔ (نئے محل میں بادشاہ کو اتارا گیا۔ دستر خوان بچھا۔ جب کھانا ختم ہوگیا تو لوگوں نے سمجھا کہ سلطان بہت جلد سوار ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ ہاتھ دھوئے بغیر باہر آ گئے۔ سلطان ہاتھ دھونے کے لیے وہیں رہ گیا۔ اسی دوران میں اس محل کی چھت گر گئی اور سلطان دب کر مر گیا۔

(ص ص ۹۸ - ۹۹)

شہر فیروز آباد

سلطان فیروز شاہ ۱۲ شعبان کو (لکھنوتی سے) دِلّی پہنچا اور جمنا کے کنارے شہر فیروز آباد کی بنیاد رکھی۔

(ص ۱۱۵)

شہر فیروز آباد کا گنبد

سلطان فیروز شاہ نے فیروز آباد کی جامع مسجد کا گنبد ہشت پہل بنایا اور اس کے ہر پہلو پر اپنی لکھی ہوئی کتاب کی ایک فصل پتھر پر کندہ کرا کے لگائی۔

(ص ۱۲۰)

سلطان فیروز شاہ کی عمارتیں

مصنف طبقاتِ اکبری نے سلطان فیروز شاہ کی تصنیف "فتوحات فیروز شاہی" کا ایک اقتباس

نقل کیا ہے جس میں فیروز شاہ نے لکھا ہے:

"سلطان ماضیہ نے جو مسجدیں، خانقاہیں، مدرسے، کنوئیں، حوض، پُل اور مقبرے بنائے تھے اور جن کی حالت خستہ ہوگئی تھی، ہم نے ان کی از سرِ نو مرمّت کرائی۔ اُن کے خرچ کے لیے کچھ جائیداد وقف کر دی۔ جن لوگوں کو میرے آقا سلطان محمد (تغلق شاہ) نے سزا کے طور پر قتل کیا تھا یا ان کے کچھ اعضا کاٹ ڈالے تھے، ان کی اولاد یا وارثوں میں سے جو بھی مجھے ملا، انعام و وظیفہ دے کر میں نے انھیں خوش کیا اور ان سے معافی نامہ لکھوا لیا۔ ان پر اکابر و اشراف کی مہر لگوائی اور محمد شاہ کے مقبرے میں رکھوا دیا....

...... میں نے جو عمارتیں بنوائیں ان کی تفصیل یہ ہے:

بند جوے چار عدد، مسجدیں چار عدد، مدرسے تیس عدد، خانقاہیں بیس عدد، کوشک سو عدد، رباط دو سو عدد، شہر تیس عدد، حوض چار عدد، دار الشفا چار عدد، مقبرے سو عدد، حمام دس عدد، مینار دس عدد، کنوئیں ایک سو پچاس عدد، پُل سو عدد اور باغ ان گنت۔

(ص ۱۲۱)

ظفر نامہ

از

مولانا شرف الدّین علی یزدی

حوض خاص

حوض خاص ایک حوض ہے جسے سلطان فیروز شاہ نے بنایا ہے۔ اس کی وسعت اتنی ہے کہ اگر ایک کنارے سے تیر چلایا جائے تو دوسرے کنارے پر نہیں پہنچتا۔ موسم برسات میں بارش کے پانی سے یہ بھر جاتا ہے۔ سال بھر تک دلّی کے لوگ اس پانی کا استعمال کرتے ہیں۔ سلطان فیروز شاہ کی قبر اس کے کنارے پر واقع ہے۔

(ص ۱۰۹)

قصر ہزار ستون

ملک جونہ نے جہاں پناہ میں ہزار ستون تعمیر کیا تھا۔

(ص ۱۲۱)

☆

عالمگیر نامہ

از

منشی محمد کاظم بن محمد امین

موتی مسجد لال قلعہ

(منشی محمد کاظم نے عالمگیر نامہ میں صرف ایک عمارت کی تعمیر کا ذکر کیا ہے اور وہ مسجد ہے جسے اورنگ زیب نے بنوایا تھا، منشی محمد کاظم لکھتے ہیں) اورنگ زیب جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا، پانچوں نمازیں، سنتیں اور نفلیں مسجد میں پڑھتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔

اسی لیے اس نے اپنی رہائش گاہ سے قریب ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی تھی۔۔۔۔۔ صبح شام نماز کے وقت اپنے گھر سے اس مسجد میں چلا جاتا۔۔۔۔۔ شمال کی طرف غسل خانۂ مبارک اور باغِ حیات بخش کے درمیان یہ مسجد سنگِ مرمر سے تعمیر کی گئی۔ مسجد کے دو ایوان ہیں جو لمبائی میں ایک دوسرے سے متصل ہیں اور دونوں کی چھت بنگلہ نما ہے۔

(ص ۸۸)

☆

فتوحاتِ فیروز شاہی

مولّفہ
سلطان فیروز شاہ تغلق

خدانے اِس خاکسار پر جو عنایتیں کی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ نیک کام کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی توفیق دی ہے۔ ہم نے بہت سی مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کی ہیں تاکہ عالم، مشائخ، زاہد اور عبادت گزار ان جگہوں پر معبودِ برحق کی عبادت کریں اور اِس بانیِ خیر کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ ہم نے نہریں کھُدوائیں، درخت لگوائے اور زمینیں وقف کیں۔ (شرع کے مطابق اور جس پر سب کو اتفاق ہے اور ملّتِ اسلام میں علمائے شریعت اس پر اتفاق کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے) اخراجات کے لیے اس زمین کے ہم نے حصّے مقرر کر دیے تاکہ اس کی آمدنی ہمیشہ بندگانِ خدا تک پہنچتی رہے اور اس کی تفصیل وقف نامے میں بیان کر دی ہے۔

(ص ۱۱)

آثارِ قدیمہ کی حرمت:

خدا کی عنایتوں میں سے ایک عنایت ہم پر یہ بھی ہے کہ پُرانے سلاطین اور امرا نے جو عمارتیں تعمیر کی تھیں اور بہت زیادہ وقت گزرنے کی وجہ سے اُن کی حالت خراب ہو گئی تھی، ہم نے اُن کی مرمّت کرائی اور نئی عمارتوں کی طرح اُنھیں آراستہ کیا اور ہم نے ان (عمارتوں) کے استحکام کو اپنی عمارتوں پر مقدّم رکھا۔

(ص ۱۲)

سلطان معزالدین سام کی جامع مسجد:

چنانچہ دلّی کی وہ قدیم جامع مسجد کہ جسے سلطان معزالدین سام نے تعمیر کیا ہے۔ قدامت کی وجہ سے محتاجِ مرمّت وتعمیر ہو گئی تھی، ہم نے اس طرح مرمّت کرائی کہ اس میں نئی جان پڑ گئی۔

(ص ۱۲)

سلطان معزالدین سام کا مقبرہ:

سلطان معزالدین سام کے مقبرے کی مغربی دیوار اور دروازے کے تختے پُرانے اور خستہ ہو گئے تھے، ہم نے انھیں نیا کر دیا اور دروازے، طاق اور زینے لکڑی کے بجائے صندل کے بنوا دیے۔

(ص ۱۲)

سلطان معزالدین سام کا منارہ (قطب کی لاٹھ):

سلطان معزالدین سام کا منارہ کہ جس سے بہتر کوئی اور منارہ نہیں تھا، بجلی کے حادثے کا شکار ہونے کی وجہ سے گر پڑا تھا، اسے پہلے سے بھی زیادہ بلند بنا دیا۔

(ص ۱۲)

حوضِ شمسی:

بے ایمان لوگوں نے حوضِ شمسی کے پانی کا راستہ روک دیا تھا؛ اِس لیے اُس میں پانی آنا بند ہو گیا تھا۔ ان گستاخ اور بے شرم لوگوں کو ہم نے سزا دی اور پانی کے راستے میں جو بند باندھ دیے گئے تھے، اُنھیں کھُلوا دیا۔

ص ۱۲

حوض علائی:

حوض علائی کہ جو مٹی سے اَٹ گیا تھا اور خشک ہو گیا تھا اور شہر کے لوگ اس میں زراعت کرنے لگے تھے۔ انھوں نے کنویں کھود لیے تھے اور ان کنوؤں کا پانی فروخت کرتے تھے۔ ہم نے اسے کھُدوایا تاکہ وسیع وعریض تالاب ایک سال سے دوسرے سال میں بھر جائے۔

(ص ۱۲)

سلطان شمس الدین التمش کا مقبرہ :

اور اسی طرح سلطان شمس الدنیا والدین التمش (رضی اللہ عنہ) کے مدرسے کے کچھ حصے گر گئے تھے، ہم نے انھیں تعمیر کیا۔ دروازے صندل کے بنائے اور مقبرے کے جو ستون گر گئے تھے، انھیں دوبارہ اس طرح بنایا کہ ان سے بہتر ممکن نہیں تھے اور تعمیر کے وقت مقبرے کے صحن کی چونے سے استرکاری نہیں کی گئی تھی، اس کی استرکاری کر دی گئی اور گنبد کی وہ سیڑھیاں جو پتھر سے تراشی گئی تھیں، انھیں اور زیادہ کر دیا اور سہارے کے لیے جو چار برج بنائے گئے تھے، وہ گر پڑے تھے، انھیں دوبارہ بنایا۔ (ص ۱۳)

سلطان معزالدین کا مقبرہ :

اور سلطان شمس الدین کے لڑکے سلطان معزالدین کا وہ مقبرہ جو ملک پور میں ہے۔ ایسا خستہ و خراب ہوگیا تھا کہ جیسے کبھی بنا ہی نہ ہو، وہاں گنبد و چبوترہ اور گری ہوئی چار دیواری دوبارہ بنائی۔

(ص ۱۳)

سلطان رکن الدین کا مقبرہ :

سلطان شمس الدین کے لڑکے سلطان رکن الدین کا مقبرہ ملک پور میں ہے۔ اس کی چار دیواری بنائی، نیا گنبد بنایا اور ایک خانقاہ تعمیر کی۔ (ص ۱۳)

سلطان جلال الدین کا مقبرہ :

اور سلطان جلال الدین کے مقبرے کی مرمت کی اور نیا دروازہ تعمیر کیا۔

(ص ۱۳)

سلطان علاؤالدین کا مقبرہ :

علاء الدین کے مقبرے کی مرمت کی۔ صندل کے دروازے بنائے اور آبدار خانے کی دیوار اور مسجد کی مغربی دیوار جو مدرسے کے اندر ہے، اس کی اور فرش کی نیچے تک مرمت کرائی۔

(ص ۱۴)

سلطان قطب الدین وغیرہ کا مقبرہ :

سلطان قطب الدین، اور سلطان علاء الدین کے لڑکوں خضر خاں، شادی خاں، فرید خاں، سلطان شہاب الدین، سکندر خاں، محمد خاں اور عثمان خاں اور نواسے اور اس کے نواسوں کے لڑکوں کے لڑکے کے مقبرے از سرِ نو مرمت کرائے۔ (ص ۱۴)

حضرت نظام الدین اولیاؒ کا مقبرہ :

اور سلطان المشائخ حضرت نظام الحق والدین محبوبِ الٰہی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے مقبرے کے گنبد کے دروازے اور جالیوں کو صندل سے بنوایا اور سنہری قندیلیں سونے کی زنجیروں کے ساتھ گنبد کے چاروں کونوں میں لٹکائیں اور نیا جماعت خانہ تعمیر کیا کہ جو اس سے پہلے وہاں نہیں تھا۔

(ص ۱۴)

تاج الملک کافوری کا مقبرہ :

اور سلطان علاء الدین کے وزیر بزرگ ملک تاج الملک کافوری جو بہت عاقل و دانشمند تھا اور جس نے بہت سے ایسے ملک فتح کیے تھے کہ جہاں پُرانے زمانے کے بادشاہوں کے گھوڑوں کے قدم بھی نہیں پہنچے تھے۔ اس نے وہاں سلطان علاء الدین کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اس کے پاس باون ہزار سوار تھے، اس کا مزار زمین میں برابر ہوچکا تھا، اور مقبرہ گر گیا تھا۔ چوں کہ وہ حکومت کا خیر خواہ اور وفادار تھا، اس لیے اُس کا مقبرہ از سرِ نو تعمیر کیا۔ (ص ۱۴)

دارالامان :

دارالامان میں مخدوموں (بادشاہوں اور شہزادوں) کی قبریں ہیں۔ اس کے دروازے صندل کے بنوائے اور ان کی قبر پر خانۂ کعبہ کی چادروں سے سائبان بنایا۔ ان مقبروں اور مدرسوں کی دیکھ بھال اور مرمت کا انتظام اُن کے پُرانے اوقاف سے ہوتا تھا اور جہاں صفائی، روشنی اور اس مقام کے لیے دوسرے ضروری سامان کے لیے کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں تھا وہاں گاؤں مقرر کیے، تاکہ

اُن کا محصول ہمیشہ ان عمارتوں پر خرچ ہو۔

(ص ۱۴-۱۵)

جہاں پناہ:
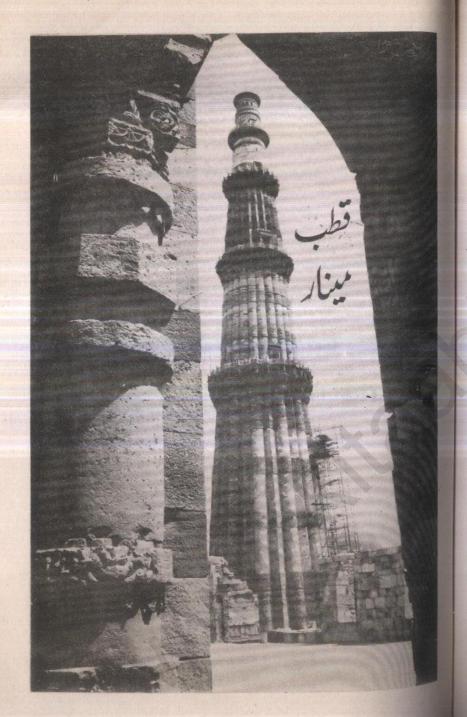
اسی طرح جہاں پناہ کی تعمیر ہمارے خداوند ولی نعمت سلطان محمد شاہ مغفور و مرحوم نے کی تھی، اور ہم انہی کے سامنے پلے اور بڑھے ہیں۔ ہم نے اس جہاں پناہ کو (دوبارہ) آباد کیا۔

(ص ۱۵)

مدرسوں، مقبروں اور مزاروں کے لیے مستقل آمدنی:

اسی طرح مملکتِ دہلی میں سلاطینِ ماضی کے تعمیر کردہ تمام قلعوں کی مرمت کرائی۔

اس کے علاوہ سلاطینِ ماضی اور مشائخ کبار کے مزاروں، مقبروں اور مدرسوں جیسے متبرک مقامات کی دیکھ بھال وغیرہ کے لیے جو سامان درکار تھا، اس کے لیے ان کے اوقاف قدیم کی تجدید کی اور گاؤں اور زمینیں وقف کیے اور انھیں پہلے سے بھی زیادہ کر دیا اور جن جگہوں کے لیے اوقاف سے کچھ آمدنی مقرر نہیں تھی، اس کے لیے آمدنی مقرر کی تاکہ ہمیشہ اس مقام پر خیر قائم رہے اور آنے جانے والوں اور اربابِ علوم اور اصحابِ معارف کو آرام پہنچے اور وہ ہم کو اور ان لوگوں کو (جن کے مقبرے اور مزار ہیں) دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

(ص ۱۵)

دارالشفا:

اس کے علاوہ خدا نے ہمیں توفیق دی کہ ہم نے دارالشفا تعمیر کیا تاکہ خاص و عام میں سے جس کو بھی کوئی مرض لاحق ہو وہاں آئے۔ طبیب وہاں حاضر رہیں تاکہ مرض کی تشخیص ہو سکے اور علاج اور پرہیز بتائیں اور (مرض کی دوا دیں) دوا اور غذا کا خرچ اوقاف برداشت کرے۔ مقیم و مسافر شریف و رذیل، آزاد و غلام سب مریض وہاں آئیں اور ان کا علاج ہو اور وہ خدا کے کرم سے شفا پائیں۔

(ص ۱۵)

عجائبُ الاسفار

(شیخ ابن بطوطہ کا سفر نامہ)

مترجمہ

خان بہادر محمد حسین

جلد اوّل

دلّی، تغلق آباد، سیری اور جہاں پناہ:

دوپہر کے وقت ہم (ابن بطوطہ) دارالخلافہ دلی میں پہنچے۔ یہ ایک عظیم الشان شہر ہے اور اُس کی عمارات میں خوب صورتی اور مضبوطی دونوں پائی جاتی ہیں۔ اُس کی فصیل ایسی مضبوط ہے کہ دنیا بھر میں اُس کا نظیر نہیں اور مشرق میں کوئی شہر خواہ اسلامی ہو خواہ غیر اسلامی اس کی عظمت کا نہیں، بڑا فراخ شہر ہے اور سب آباد ہے۔ اصل میں چار شہر ہیں جو ایک دوسرے کے متصل واقع ہیں: اوّل دلّی جو پُرانا ہندوؤں کے وقت کا شہر ہے[1]۔ وہ ۵۸۴ھ (۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ء) میں فتح ہوا تھا اور دوسرا شہر سیری ہے[2]، اس کو دارالخلافہ بھی کہتے ہیں۔ یہ شہر بادشاہ نے غیاث الدین خلیفہ مستنصر العباسی کے پوتے کو دے دیا تھا۔ جب وہ دلّی میں مقیم تھا۔ سلطان علاء الدین اور قطب الدین اسی شہر میں رہتے تھے۔ تیسرا شہر تغلق آباد ہے اس کو بادشاہ کے باپ غیاث الدین تغلق شاہ نے آباد کیا تھا۔ غیاث الدین ایک روز سلطان قطب الدین خلجی کی ملازمت میں کھڑا تھا، اُس وقت اُس نے عرض کی کہ: اے اخوند عالم اس جگہ ایک نیا شہر بنانا چاہیے۔ بادشاہ نے طنز سے کہا کہ تو بادشاہ ہو جاوے
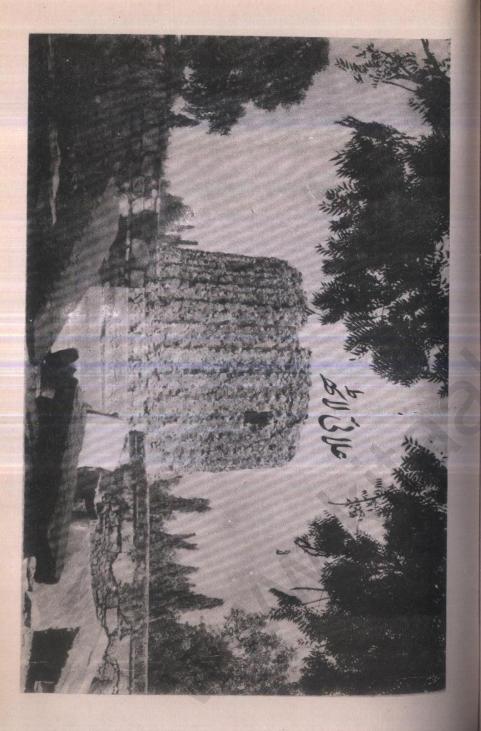
تو یہاں شہر آباد کیجو۔ جب وہ تقدیرِ خدا سے بادشاہ ہوگیا تو اُس نے یہ شہر آباد کیا اور اپنے نام پر اس کا نام تغلق آباد رکھا۔ چوتھا شہر جہاں پناہ ہے۔ اس میں سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ حال رہتا ہے اور اُس نے اس شہر کو آباد کیا ہے۔ بادشاہ کا ارادہ تھا کہ چاروں شہروں کو ملا کر ایک فصیل اُن کے گرد بنا دے اور بنائی شروع بھی کی تھی لیکن بہت خرچ دیکھ کر ادھوری چھوڑ دی۔ شہر کی فصیل تمام دنیا میں بے نظیر ہے۔ اس کا عرض گیارہ ہاتھ ہے۔ اُس میں کوٹھریاں اور مکانات بنے ہوئے ہیں جس میں چوکیدار اور دروازوں کے محافظ رہتے ہیں اور غلّے کے کھتے بھی، جن کو انبار کہتے ہیں فصیل میں بنے ہوئے ہیں۔ منجنیق اور لڑائی کے سامان اور عرّادہ بھی ان ہی گوداموں میں رکھے جاتے ہیں۔ غلّہ بھی اُن ہی میں جمع کرتے ہیں۔ یہ غلّہ ہر ایک آفت سے محفوظ رہتا ہے اور رنگ بھی نہیں بدلتا۔ میرے سامنے اِن گوداموں میں سے چاول نکالے گئے۔ اُن کا رنگ اوپر سے سیاہ ہوگیا تھا لیکن مزے میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ مکی یا جوار بھی اُس سے نکال رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ شاہ بلبن کے وقت جس کو نوے سال ہوئے ہیں، یہ غلّے بھرے گئے تھے۔ فصیل کے اوپر کئی سوار اور پیادے تمام شہر کے گرد گھوم سکتے ہیں۔ شہر کے اندر کی طرف گوداموں میں تابدان ہیں، جن میں سے روشنی پہنچتی ہے۔ اس فصیل کے نیچے کا حصہ پتھر کا بنا ہوا ہے اور اوپر کا حصہ پختہ اینٹوں کا۔ بُرج تعداد میں بہت اور قریب قریب ہیں۔ (ص ص ۴۲-۴۳)

قدیم دلّی کے دروازے:

اس شہر کے اٹھائیس دروازے ہیں ان میں سے بعض کا ہم ذکر کرتے ہیں: "بداؤں دروازہ" جو ایک بڑا دروازہ ہے۔ شہر بداؤں کے نام سے مشہور ہے۔ "مندوی دروازہ" جس کے باہر کھیت ہیں، اور "گل دروازہ" جس کے باہر باغ ہیں، اور "نجیب دروازہ" اور "کمال دروازہ" کسی شخص کے نام پر ہیں اور "غزنی دروازہ" جس کے باہر عیدگاہ اور بعض قبرستان ہیں۔ اور "پالم دروازہ" جو پالم گاؤں کی طرف ہے، اور "بجالصہ دروازہ" جس کے باہر دلی کے کُل قبرستان ہیں۔ قبرستان خوبصورت ہیں۔ ہر ایک قبر پر گنبد نہیں تو محراب ضرور ہوتی ہے اور بیچ میں گل شبو اور رائے بیل اور گل نسرین اور قسم قسم کی پھلواری لگی ہوئی ہے۔ (ص ۴۳)

مسجد قوۃ الاسلام :

شہر کی جامع مسجد بڑی وسیع ہے۔ اُس کی دیواریں اور چھتیں اور فرش ہر ایک چیز تراشی ہوئی سفید پتھر کی بنی ہوئی ہے جس کو سیسہ لگا کر جوڑ لگایا ہے اور لکڑی کا اس میں نام نہیں۔ اِس مسجد میں تیرہ گنبد ہیں جو پتّھر کے ہیں اور ممبر بھی پتھر کا ہے۔ چار صحن ہیں اور اُس کے وسط میں ایک لاٹ ہے۔ معلوم نہیں کس دھات کی بنی ہوئی ہے۔ کسی نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ ہفت جوش یعنی سات دھاتوں کو جوش دے کر اُن سے یہ لاٹ بنائی گئی ہے۔ کسی نے اِس لاٹ میں سے انگل بھر ٹکڑا تراشا ہے۔ وہ جگہ نہایت چکنی ہے۔ لوہا اس پر اثر نہیں کرتا۔ اس کا طول تیس ہاتھ کا ہے جو میں نے اپنی پگڑی سے ناپا تھا۔ (ص ص ۴۶-)

قطب مینار :

مسجد کے شمالی صحن میں ایک صومعہ (مینار) ہے جس کا نظیر اسلام کے کسی ملک میں نہیں پایا جاتا۔ یہ مینار سُرخ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ حالاں کہ مسجد سفید پتھر کی ہے۔ مینار کے پتھروں پر نقش کندہ ہیں۔ اور اُس کا اوپر کا چھتر خالص سنگِ مرمر کا ہے اور لٹو زرِ خالص کے ہیں اور اندر سے اُس کا زینہ اِس قدر چوڑا ہے کہ اُس پر ہاتھی چڑھ جاتا ہے۔ ایک ثقہ آدمی نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ جب یہ مینار بنایا جاتا تھا، تو میں نے ہاتھیوں کو اُس کے اوپر پتّھر لے جاتے ہوئے دیکھا ہے[۲]۔ اس مینار کو معز الدین[۲] بن ناصر الدین بن التمش نے بنوایا تھا۔

(ص ص ۴۶-۴۷)

علائی لاٹھ :

قطب الدین خلجی نے ارادہ کیا تھا کہ غربی صحن میں ایک اور مینار بنوائے جو اس مینار سے بہت بڑا اور اونچا ہو اور ایک تہائی کے قریب اُس نے بنوایا تھا کہ وہ مارا گیا اور سلطان محمد تغلق نے اُس کے پورا کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن پھر فالِ بد سمجھ کر اپنے ارادے سے باز رہا ورنہ یہ مینار دنیا کے عجائبات میں سے ہوتا۔ وہ اندر سے اس قدر چوڑا ہے کہ تین ہاتھی برابر اُس میں اوپر چڑھ سکتے ہیں۔
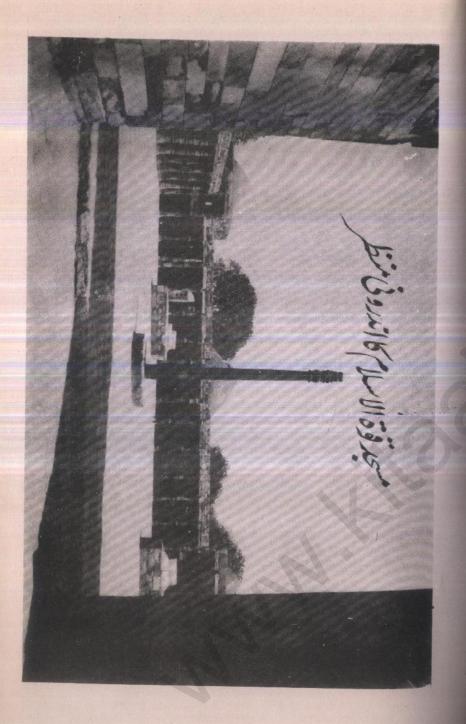
مسجد قوۃ الاسلام کا اندرونی منظر

اور یہ تہائی اس قدر بلند ہے جس قدر کہ صحنِ شمالی کا کل مینار۔ میں ایک دفعہ اس پر چڑھا تھا تو میں نے دیکھا کہ شہر کے اونچے اونچے گھر اور فصیل باوجود بلندی کے چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے تھے، اور اس کی جڑ میں کھڑے ہوئے آدمی چھوٹے چھوٹے بچے معلوم ہوتے تھے۔ نیچے سے کھڑے ہو کر دیکھنے سے یہ نامکمل مینار بہ سبب کلانی اور وسعت کے کم اونچا معلوم ہوتا ہے۔

(ص ۴۷)

سیری کی مسجد :

سلطان قطب الدین خلجی نے ارادہ کیا تھا کہ وہ سیری میں ایک ایسی مسجد بناوے لیکن فقط ایک دیوار اور محراب کے سوا نہ بنا سکا۔ اس نے سفید اور سرخ اور سبز و سیاہ پتھروں کی تعمیر شروع کی تھی۔ اگر بن جاتی تو ایسی مسجد کسی ملک میں نہ ہوتی۔ سلطان محمد نے اس کے بنانے کا ارادہ کیا تھا اور معماروں اور کاریگروں سے اندازہ کرایا تھا تو معلوم ہوا کہ اس میں ۳۵ لاکھ روپیہ لگے گا۔ خرچ کثیر دیکھ کر اس نے ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن بادشاہ کا ایک مصاحب کہتا تھا کہ فالِ بد کے سبب سے اس نے بنانا شروع نہیں کیا۔ کیوں کہ قطب الدین اس کے شروع کرتے ہی مارا گیا تھا۔ (ص ۴۸)

حوض شمسی و حوض خاص :

شہر دلّی کے باہر ایک حوض ہے جو سلطان شمس الدین التمش کی طرف منسوب ہے۔ اہلِ شہر اس کا پانی پیتے ہیں اور شہر کی عیدگاہ بھی اسی کے قریب ہے۔ اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے۔ طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہے اور اس کے غربی طرف عیدگاہ کی جانب پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں، چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترے کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہے جس میں تماشائی بیٹھ کر سیر کرتے ہیں اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد دو منزلہ ہے۔ جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد ہے، اکثر زاہد اور متوکل وہاں جا کر رہتے ہیں، جب حوض کے کنارے سوکھ جاتے ہیں تو ان میں نیشکر اور ککڑی اور کھیرے اور تربوز اور خربوزے بو دیتے ہیں۔ خربوزہ اس میں چھوٹا لیکن نہایت شیریں ہوتا ہے۔ دلّی اور

دارالخلافہ کے درمیان ایک اور حوض ہے جس کو حوض خاص کہتے ہیں۔ یہ حوض حوضِ شمسی سے بھی بڑا ہے۔
اور اُس کے کناروں پر چالیس کے قریب گنبد ہیں۔ اس کے گرد اہلِ طرب رہتے ہیں۔ اور اُن کی وجہ
سے اسے طربِ آباد کہتے ہیں۔ یہاں اہلِ طرب کا ایک بازار ہے جو بہت بڑا ہے اور اُس میں ایک
مسجد جامع بھی ہے اور سوا اس کے اور مسجدیں بھی ہیں۔ کہتے ہیں گانے بجانے والی عورتیں جو اس
محلے میں رہتی ہیں، رمضان شریف میں تراویح کی نماز جماعت سے پڑھتی ہیں اور اُن کے امام مقرر ہیں
عورتیں تعداد میں بہت ہیں اور ڈوم ڈہاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے امیر سیف الدین ابن مہنی کی شادی
میں دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی ہر ایک ڈوم وضو کر کے اور مصلے بچھا کر نماز پر کھڑا ہو گیا۔

قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مزار:

مزارات میں مشہور قبر شیخ الصالح قطب الدین بختیار کاکیؒ کی ہے۔ اُن کی قبر کی برکت مشہور ہے
اور لوگ اُس کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ ان خواجہ صاحب کا نام کاکی اس سبب سے مشہور ہو گیا تھا کہ اُن کے
پاس جو مقروض اور مفلس آتے تھے اور قرض اور افلاس کی شکایت کرتے تھے، یا کوئی ایسا شخص آتا تھا
جس کی بیٹی جوان ہوتی تھی اور شادی کا سامان اُس کے پاس نہ ہوتا تھا تو خواجہ صاحب اُن کو ایک کاک
سونے یا چاندی کی دے دیا کرتے تھے۔ (ص ص ۵۱-۵۲)

فقیہہ نور الدین کرمانیؒ اور فقیہہ علاء الدین کرمانیؒ کے مزارات:

دوسرا مزار فقیہ نور الدین کرمانی کا ہے۔ تیسرا فقیہ علاء الدین کرمانی کا۔ یہ مزار پُر برکت ہے اور
نور اُس پر برستا ہے اور یہ مکان عیدگاہ کی پشت کی طرف ہے۔ اس جگہ اور بھی بہت سے
اولیا کے مزار ہیں۔ (ص ۵۳)

التمش کے قلعے کے دروازے کے شیر:

سلطان شمس الدین التمش نے حکم دیا ہوا تھا کہ جس کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو وہ رنگے ہوئے
کپڑے پہن کر پھرے تاکہ بادشاہ فوراً اُس کو پہچان لے، کیوں کہ ہندوستان میں عموماً سفید رنگ

کے کپڑے پہنتے ہیں۔ رات کے واسطے یہ تجویز کی تھی کہ اپنے دروازے کے برجوں پر دو شیر سنگِ مرمر کے بنے ہوئے رکھے تھے اور اُن دونوں کے گلوں میں زنجیریں ڈالی ہوئی تھیں اور زنجیروں میں گھڑیاں باندھے ہوئے تھے۔ جب کوئی مظلوم آکر زنجیر ہلاتا تھا تو فوراً بادشاہ کو خبر ہوجاتی تھی اور وہ فوراً اُس کے مقدمے کا فیصلہ کرتا تھا۔ (ص ۵۸)

رضیہ سلطان کی قبر:

رضیہ مردوں کی طرح ہتھیار لگاکر گھوڑے پر سوار ہوا کرتی تھی اور اپنا چہرہ کھلا رکھتی تھی۔ جب اُس پر تہمت لگائی گئی کہ وہ ایک حبشی غلام سے تعلق رکھتی ہے تو لوگوں نے اتفاق کرکے اُس کو تخت سے اُتار دیا اور اُس کے کسی رشتے دار قریبی کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا اور اُس کے بھائی ناصرالدین کو بادشاہ بنالیا، جب کہ سلطانہ رضیہ کو تخت سے علیحدہ کیا گیا تو اُس کا چھوٹا بھائی بادشاہ بنا اور مدت تک حکومت کرتا رہا۔ تھوڑے دنوں کے بعد رضیہ اور اُس کے شوہر نے بغاوت کی اور اپنے غلام اور ساتھی لے کر مقابلے کے لیے آمادہ ہوئی۔ ناصرالدین اور اُس کے نائب بلبن نے جو اُس کے بعد بادشاہ ہوا مقابلہ کیا۔ رضیہ کے لشکر کو شکست ہوئی۔ رضیہ میدان سے بھاگ گئی اور جب وہ تھک گئی اور بھوک پیاس نے غلبہ کیا تو ایک زمیندار کو ہل چلاتے ہوئے دیکھا۔ اُس سے کھانے کو کچھ مانگا۔ اُس نے روٹی کا ایک ٹکڑا دیا وہ کھاکر سوگئی۔ اس وقت وہ مردانہ کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ زمیندار کی نظر اُس کی قبا پر جا پڑی، جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے وہ سمجھ گیا کہ یہ عورت ہے۔ اُس کو سوتے ہوئے قتل کرکے کپڑے اور سامان اُتار لیا اور گھوڑے کو بھگا دیا اور اُس کی نعش کو کھیت میں دفن کرکے آپ اُس کا کوئی کپڑا بازار میں بیچنے گیا۔ بازار والوں نے شبہ کیا اور اُس کو کوتوال کے پاس پکڑ کر لائے۔ کوتوال نے زمیندار کو مار پیٹ کی تو اُس نے اقبال کیا اور تمام احوال بتا دیا اور اُس کی نعش بھی بتادی۔ نعش کو وہاں سے نکال کر لائے اور غسل اور کفن دے کر اُسی جگہ اُس کو دفن کر دیا اور اُس کی قبر پر ایک گنبد بنا دیا۔ اب اُس کی قبر زیارت گاہ ہے اور وہ دریائے جمنا کے کنارے پر شہر سے ایک فرسخ (ساڑھے تین میل) ہے۔ ص ص ۶۰-۶۱

افغان پور کا محل:

جب وہ (غیاث الدین تغلق) دارالخلافہ کے قریب پہنچا تو اُس نے بیٹے (جونہ خاں سلطان محمد تغلق) کے نام حکم بھیجا کہ اس کے واسطے ایک نیا محل افغان پور میں تعمیر کرادے۔ جونہ خاں نے تین دن میں محل کھڑا کروادیا۔ اُس کی بنا لکڑیوں کے ستونوں پر زمین سے بلندی پر رکھی۔ اُس میں اکثر لکڑی کا کام تھا۔ احمد ابن ایاز نے جو بعد میں خواجہ جہاں کے لقب سے مشہور ہوا اور اُن دنوں میں بادشاہ کا میر عمارت تھا، اُس کی بنیاد ایسے اندازے سے رکھی تھی کہ اگر اُس کے ایک خاص موقع پر ہاتھی کھڑا کیا جاوے تو تمام مکان گر پڑے۔ بادشاہ اس محل میں آکر ٹھیرا اور لوگوں کی ضیافت کی۔ جب لوگ کھانا کھا کر چلے گئے تو جونہ خاں نے بادشاہ کی اجازت طلب کی کہ میں ہاتھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چناں چہ ایک ہاتھی جو سازوسامان سے مرصّع تھا، سامنے لایا گیا۔ مجھ سے شیخ رکن الدین ملتانی ذکر کرتے تھے، وہ اُس وقت بادشاہ کے پاس تھے اور بادشاہ کا لاڈلا بیٹا محمود بھی وہیں تھا، جونہ خاں نے اُن سے کہا کہ: اے اخوندِ عالم نمازِ عصر کا وقت قریب ہے، آؤ نماز پڑھ لیں۔ چناں چہ وہ محل سے باہر آئے۔ اسی وقت ہاتھی کو لائے۔ ہاتھی کا محل میں پہنچنا تھا کہ تمام مکان بادشاہ اور شہزادے کے سر پر گر پڑا۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں نے شور سُنا اور بغیر نماز پڑھے واپس چلا آیا تو دیکھا کہ محل گرا ہوا ہے۔ جونہ خاں نے حکم دیا کہ تبر اور کسّیاں لاؤ تاکہ کھود کر بادشاہ کو نکالا جاوے اور اشارہ کردیا کہ ذرا دیری سے لاویں۔ چناں چہ جب کھودنا شروع کیا تو سورج غروب ہوچکا تھا۔ جب کھود کر دیکھا گیا تو بادشاہ اپنے بیٹے کے اوپر جھکا ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کو موت سے بچانا چاہتا تھا، یعنی اُٹھا کر مکان سے نکلنا چاہتا تھا۔ بعضے کہتے ہیں کہ بادشاہ اُس وقت تک زندہ تھا لیکن اُس کا کام تمام کردیا گیا۔ راتوں رات مقبرے میں جو اُس نے تغلق آباد میں اپنے لیے بنوایا تھا پہنچا دیا اور وہاں دفن کردیا گیا۔ (ص ص ۹۲-۹۳)

تغلق آباد:

تغلق آباد کے بنانے کا سبب میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ اِس شہر میں بادشاہ (سلطان محمد تغلق شاہ)

کا خزانہ اور محل تھے۔ اس قلعے میں بادشاہ نے ایک ایسا بڑا محل تیار کرایا تھا کہ اس کی اینٹوں پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ جس وقت سورج طلوع ہوتا تھا تو اس کی دمک سے کوئی شخص محل کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس میں بادشاہ نے بہت سامان جمع کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس میں ایک حوض بنوا کر سونا پگھلا کر بھروا دیا تھا کہ وہ جم کر ایک ڈلا ہو گیا تھا۔ اس کے بیٹے نے وہ تمام سونا صرف کیا۔ چوں کہ خواجہ جہاں نے اس کوشک کے بنانے میں جس کے گرنے سے بادشاہ مرا بڑی صنعت ظاہر کی تھی۔ اس لیے خواجہ جہاں کی برابر کسی کی بادشاہ کے دل میں جگہ نہیں تھی اور کوئی شخص اس کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ (ص ۱۹۲)

دارِ سرا۔ شاہی محل کا دروازہ:

شاہی محل کو جو دلّی میں ہے، دارِ سرا کہتے ہیں۔ اس میں کئی دروازوں میں سے ہو کر جانا پڑتا ہے پہلے دروازے پر پہرے کے سپاہی رہتے ہیں اور نقارے اور نفیری اور سرنا والے بھی اس دروازے پر بیٹھے رہتے ہیں، جس وقت کوئی امیر یا بڑا آدمی آتا ہے تو وہ نقارے اور نفیری بجانا شروع کرتے ہیں اور بجانے میں یہ آواز نکالتے ہیں کہ فلاں شخص آیا، اور اسی طرح سے دوسرے اور تیسرے دروازے پر ہوتا ہے۔ پہلے دروازے کے باہر چبوترے ہیں۔ اُن پر جلّاد بیٹھے رہتے ہیں۔ جب بادشاہ کسی کے مارنے کا حکم دیتا ہے تو وہ محل ہزار ستون کے سامنے مارا جاتا ہے، لیکن اُس کا سر پہلے دروازے کے باہر تین دن تک لٹکا رہتا ہے۔ پہلے اور دوسرے دروازے کے درمیان ایک بڑی دہلیز ہے، اُس کے دونوں طرف چبوترے بنے ہوئے ہیں، اُس میں نوبت نقارے والے بیٹھے رہتے ہیں اور دوسرے دروازے پر اس دروازے کے پہرے دار ہوتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے دروازے کے درمیان ایک بڑا چبوترہ ہوتا ہے۔ اُس پر نقیب النقبا (چھڑی بردار) بیٹھا رہتا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ایک طلائی چھڑی ہوتی ہے اور سر پر جڑاؤ اور طلا کار کلاہ جس کے اوپر مور کے پر لگے ہوئے ہوتے ہیں اور باقی نقیبوں کی کمر میں زرّیں پیٹی، سر پر طلا کار شاشیہ اور ہاتھ میں تازیانہ ہوتا ہے جس کا دستہ سونے یا چاندی کا ہوتا ہے۔ دوسرے دروازے کے اندر ایک بڑا دیوان خانہ ہے، جن میں عام لوگ بیٹھے رہتے ہیں۔ تیسرے دروازے پر متصدی بیٹھے رہتے ہیں۔ اُن کا یہ کام ہوتا ہے کہ کوئی شخص اندر آنے نہیں پاتا،

جب تک اُس کا نام اُن کی کتاب میں درج نہ ہو۔ ہر ایک امیر کے ہمراہیوں کی تعداد مقرر اور درج ہوتی ہے۔ متصدی اپنے روزنامچے میں لکھتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص اس قدر ہمراہیوں کے ساتھ فلاں وقت آیا۔ بادشاہ اُس روزنامچے کو عشا کی نماز کے بعد ملاحظہ کرتا ہے۔ اُس روزنامچے میں جو کچھ حادثات دروازے پر واقع ہوتے ہیں، لکھے جاتے ہیں۔ بادشاہ کے بیٹوں میں سے ایک کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ یہ روزنامچہ بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔

(ص ص ۹۹ - ۱۰۰)

ہزار ستون:

یہ بھی دستور ہے کہ جو امیر تین دن یا اُس سے زیادہ بلا عذر یا کسی عذر کے سبب سے غیر حاضر ہوتا ہے تو وہ پھر دروازے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ بادشاہ کی خاص اجازت از سرِ نو حاصل نہ کی جاوے۔ اگر وہ بیماری یا کسی اور عذر کے سبب سے نہ آ سکا تھا تو وہ جس روز آتا ہے، اپنی حیثیت کے موافق ہدیہ یعنی نذر پیش کرتا ہے۔ اسی طرح دستور ہے کہ ہر شخص، جو پہلی دفعہ سلام کے لیے آتا ہے تو کچھ نہ کچھ نذر کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اگر مولوی ہو تو قرآن شریف یا کوئی اور کتاب، فقیر ہو تو مصلّے یا تسبیح یا مسواک، امیر ہو تو گھوڑے یا اونٹ یا ہتھیار۔ اس تیسرے دروازے کے اندر ایک بہت بڑا میدان ہے جس میں ایک دیوان خانہ بنا ہوا ہے۔ اُس دیوان خانے کا نام ہزار ستون ہے کیوں کہ اس کی چھت جو لکڑی کی ہے لکڑی کے ہزار ستونوں پر قائم ہے۔ اُن ستونوں پر روغن کیا ہوا ہے اور چھت میں بھی روغن ہے اور طرح طرح کے نقش و نگار اِس میں بنے ہوئے ہیں۔ سب لوگ اِس مکان میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور بادشاہ بھی جلوسِ عام کے وقت اس میں آ کر بیٹھتا ہے۔

(ص ۱۰۰)

مقبرہ سلطان قطب الدّین:

۹ جمادی الاوّل کو بادشاہ (محمد شاہ تغلق) ملک معبر کی طرف روانہ ہوا کیوں کہ وہاں سید حسن شاہ باغی ہو گیا تھا۔ میں اپنا تمام قرضہ ادا کر چکا تھا اور سفر کا پختہ ارادہ کیا ہوا تھا اور کہاروں اور فراشوں اور دوڑوں کی نو مہینے کی تنخواہ بھی دے چکا تھا۔ مجھے حکم ملا کہ

میں دار الخلافہ میں رہوں۔ حاجب نے مجھ سے اِس مضمون کا خط لے لیا کہ مجھے اطلاع ہو گئی کہ یہ اُس ملک کا دستور ہے تاکہ جس کو خبر دی گئی ہے انکار نہ کر جائے۔ بادشاہ نے میرے لیے چھے ہزار درہمی دینار دینے کا حکم دیا اور قاضی مصر کو دس ہزار دینار کا اور اسی طرح سے ہر ایک بردیسی کو جس کو ٹھہرنے کا حکم ملا۔ انعام دیا گیا۔ ہندیوں کو کچھ نہیں ملا۔ مجھے بادشاہ نے حکم دیا کہ تو سلطان قطب الدین کے مقبرے کا متولی مقرر کیا گیا ہے اُس کی نگرانی رکھ۔ بادشاہ اُس مقبرے کی نہایت تعظیم کرتے تھے کیونکہ وہ کسی زمانے میں سلطان قطب الدین کے نوکروں میں رہ چکا تھا۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جب بادشاہ اس مقبرے میں آتے تھے تو سلطان قطب الدین کی پاپوش اُٹھا کر چومتے تھے اور سر پر رکھتے تھے۔ اس ملک میں دستور ہے کہ میّت کی پاپوش اُس کی قبر کے پاس ایک چوکی پر رکھ دیتے ہیں۔ بادشاہ جب مقبرے میں داخل ہوتے تھے تو تعظیم کیا کرتے تھے، جیسے کہ بادشاہ کی زندگی میں اُس کی تعظیم بجا لاتے تھے اور اُس کی بیوہ کی بدرجہ غایت تعظیم کیا کرتے تھے اور اُس کو بہن کہہ کر پکارتے تھے اور اُس کو اپنے حرم میں جگہ دی ہوئی تھی۔ بعد میں اُس کا نکاح قاضیِ مصر کے ساتھ کر دیا تھا اور اُسی کے سبب سے قاضی کی بھی بہت خاطر ہوتی تھی۔ بادشاہ ہر جمعے کو اُس کے پاس جایا کرتے تھے۔ جب بادشاہ روانہ ہونے لگے تو ہمیں رخصت کے واسطے بُلایا ابن قاضی مصر نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ میں حضور سے جُدا ہونا نہیں چاہتا۔ ——— بادشاہ نے حکم دیا کہ اچھا جا سفر کا سامان کر لے۔ یہ اُس کے واسطے اچھا ہوا۔ اس کے بعد میں آگے بڑھا۔ میں شہر میں ٹھہرنا چاہتا تھا لیکن اُس کا انجام اچھا نہ ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کچھ عرض کرنا ہے۔ مَیں نے اپنی یادداشت کا پرچہ نکالا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اپنی زبان میں کہو۔ میں نے عرض کی کہ اخوند عالم حضور نے مجھے قاضی مقرر کیا۔ اب تک میں نے یہ کام نہ کیا تھا اور قضا سے میری مُراد فقط اس عہدے کی بزرگی قائم رکھنا ہے۔ بادشاہ نے مہربانی سے میرے دو نائب مقرر کر دیے لیکن میں سلطان قطب الدین کے روضے کیا کروں اُس میں چار سو ساٹھ آدمیوں کا روزینہ میں نے مقرر کیا ہے، اُس کے اوقاف کی آمدنی خرچ کے واسطے کافی نہیں۔ بادشاہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا

کہ اُس کی آمدنی پچاس ہزار ہے۔ پھر میری طرف مخاطب ہوکر کہا کہ "بے شک اور وزیر سے کہا کہ "لک من غلہ بدہ" اور مجھ سے کہا کہ جب تک روضے کا غلّہ آئے تو اس غلّے کو خرچ کر۔ غلّے سے مراد گیہوں اور چاول ہیں اور اُس ملک کا من بیس مغربی رطل کے برابر ہوتا ہے۔ پھر بادشاہ نے فرمایا اور کیا عرض ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے ہمراہی اسی سبب سے قید میں ہیں کہ اُنھوں نے اُن دیہات سے جن کے عوض بادشاہ نے مجھے اور دیہات دے دیے ہیں۔ کچھ وصول کر لیا تھا، اب اہلِ دیوان کہتے ہیں کہ جو کچھ تمھیں آمدنی ہوئی ہے وہ سرکار کے خزانے میں داخل کرو ورنہ بادشاہ کا حکم لاؤ کہ وہ مطالبہ معاف کیا جائے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تجھے کس قدر آمدنی ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ پانچ ہزار دینار۔ بادشاہ نے فرمایا۔ وہ تجھ کو ہم نے انعام میں دیے۔ پھر میں نے عرض کی کہ جو گھر بادشاہ نے مجھے دیا ہے، وہ بالکل شکستہ اور ریختہ ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ "عمارت کنید" پھر بادشاہ نے فرمایا "وصیت دیگر است" میں نے کہا۔ حضور بادشاہ نے فرمایا تو قرض نہ کیا کر، ممکن ہے کہ ہمیں خبر نہ پہنچے اور تجھے قرض خواہ تکلیف پہنچائیں۔ اور جس قدر میں دیا کروں اُس سے زیادہ خرچ نہ کیا کر۔ کیوں کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے: فلا تجعل یدک مغلولۃ ولا تبسطھا کل البسطہ وکلوا واشربوا ولا تسرفوا والذین اذا انفقوا لم یسرفوا وکان بین ذالک قواما میں نے ارادہ کیا کہ بادشاہ کے قدم لوں۔ بادشاہ نے میرا سر پکڑ لیا اور مجھے روک دیا۔ میں نے بادشاہ کے ہاتھ کو چوما اور باہر نکلا۔ شہر میں آکر میں نے اپنے گھر کی تعمیر شروع کی اور اُس پر چار ہزار دینار خرچ کیے۔ چھ سو دینار تو مجھے سرکاری خزانے سے ملے اور باقی میں نے اپنے پاس سے خرچ کیے اور اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بھی بنوائی۔

جن کتابوں کے اقتباسات شامل کیے گئے

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مرتب	
۱۔	اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق محدّث دہلوی	دہلی، ۱۲۸۳ھ ہجری
۲۔	تاریخِ داؤدی	عبداللہ، مرتبہ شیخ عبدالرشید	علی گڑھ
۳۔	تاریخِ شاہی	احمد یادگار، مرتبہ ہدایت حسین	کلکتہ، ۱۹۳۹ء
۴۔	تاریخِ فرشتہ (جلد اوّل)	محمد قاسم فرشتہ	پونہ، ۱۲۴۷ھ ہجری
۵۔	تاریخِ فرشتہ (جلد دوم)	محمد قاسم فرشتہ	پونہ، ۱۲۴۷ھ ہجری
۶۔	تاریخِ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف، مرتبہ مولوی ولایت حسین	کلکتہ، ۱۸۹۰ء
۷۔	تاریخِ فیروز شاہی	ضیاالدّین برنی، مصحح مولوی سیّد احمد خاں	ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) ۱۸۶۲ء
۸۔	تاریخِ مبارک شاہی	یحیٰ بن احمد سرہندی، مرتبہ محمد ہدایت حسین	کلکتہ، ۱۹۳۱ء
۹۔	توزک جہانگیری	مرزا محمد ہادی، مرتبہ سیّد احمد	علی گڑھ، ۱۹۶۴ء
۱۰۔	خزائن الفتوح	امیر خسرو، مرتبہ محمد وحید مرزا	کلکتہ، ۱۹۵۳ء
۱۱۔	خلاصۃ التواریخ	منشی سجان رائے بھنڈاری	دہلی، ۱۹۱۸ء
۱۲۔	سیر المتاخرین (جلد اوّل)	منشی غلام حسین خاں طباطبائی	لکھنؤ، ۱۲۹۵ھ ہجری
۱۳۔	سیر المتاخرین (جلد سوم)	منشی غلام حسین خاں طباطبائی	لکھنؤ، ۱۲۹۵ھ ہجری
۱۴۔	طبقات اکبری	مولانا نظام الدّین احمد بن محمد مقیم ہروی	لکھنؤ ۱۸۷۵ء
۱۵۔	ظفر نامہ	مولانا شرف الدّین علی یزدی، مرتبہ مولوی محمد آلہ درد	کلکتہ، ۱۸۸۸ء

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف/مرتب	
۱۶۔	عالمگیر نامہ	مفتی محمد کاظم بن امین، مرتبہ مولوی خادم حسین و مولوی عبدالحیٔ	کلکتہ، ۱۸۶۸ء
۱۷۔	عجائب الاسفار (جلد اوّل)	ابن بطوطہ، مترجم مولوی محمد حسین	دہلی، ۱۹۲۶ء
۱۸۔	عمل صالح الموسوم بہ شاہجہاں نامہ (جلد ۳)	محمد صالح کنبو، مرتبہ ڈاکٹر غلام یزدانی	لاہور، ۱۹۷۲ء
۱۹۔	فتوحات فیروز شاہی	سلطان فیروز شاہ، مرتبہ شیخ عبدالرشید	علی گڑھ، ۱۹۵۴ء
۲۰۔	قانون ہمایونی	غیاث الدین محمد مشہور بہ خواندامیر	کلکتہ، ۱۹۴۰ء
۲۱۔	مآثر الامرا	صمصام الدولہ شاہنواز خاں	کلکتہ، ۱۸۸۸ء
۲۲۔	مفتاح التواریخ	طامس ولیم بیل	کانپور، ۱۸۶۸ء
۲۳۔	منتخب التواریخ	عبدالقادر بدایونی، مرتبہ مولوی احمد علی	کلکتہ، ۱۹۶۸ء
۲۴۔	منتخب اللباب	ہاشم علی خاں، مشہور بہ خافی خاں نظام الملک	

اِشاریہ

اشخاص

مقامات

خانقاہیں

درگاہیں

فصیلیں

قلعے

محلے

مزار اور مقبرے

مسجدیں اور جامع مسجدیں

کتابیں

مآثرالامرا (جلد اوّل) : ۱۹۵
مفتاح التواریخ :- ۱۱۸
منتخب التواریخ :- ۱۴۸